بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْبَحْثُ الْاَوَّلُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ تعالیٰ

پہلی بحث کتاب اللہ کے بارے میں ہے

سوال: کتاب اللہ کی فصل اول کس بارے میں ہے؟

جواب: کتاب اللہ کی فصل اول خاص اور عام کے بارے میں ہے۔

سوال: خاص کی تعریف کریں اور اقسام لکھیں؟

جواب: فَالْخَاصُّ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنیً مَعْلُوْمٍ ، أوْ لِمُسَمّٰی مَعْلُوْمٍ عَلَی الْاِنْفِرَادِ

خاص وہ لفظ ہے جو معلوم معنی کے لیے یا معلوم مسمی کے لیے وضع کیا گیا ہے، انفرادی طور پر۔

خاص کی اقسام:

خاص کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔خاص الفرد جیسے: زَیْدٌ ۲۔خاص النوع جیسے: رَجُلٌ

۳۔خاص الجنس جیسے: اِنْسَانٌ

سوال: عام کی تعریف کریں اور مثال دیں اور اقسام بیان کریں؟

جواب: کُلُّ لَفْظٍ یَنْتَظِمُ جَمْعاً مِنَ الْاَفْرَادِ

عام وہ لفظ ہے جو افراد کی ایک جماعت کو شامل ہو۔

عام کی دو قسمیں ہیں۔

عام لفظی:

یعنی لفظ ہی تمام افراد کو شامل ہو۔ جیسے: مُشْرِکُوْنَ اور مُسْلِمُوْنَ

عام معنوی:

ایسا عام جو معنوی طور پر افراد کی ایک جماعت کو شامل ہو۔ جیسے: من و ما

سوال: کتاب اللہ کے خاص کا حکم بیان کریں؟

جواب: وُجُوبُ الْعَمَلِ بِهِ لَا مُحَالَةَ

کتاب اللہ کے خاص پر ہر حال میں عمل کرنا لازمی وضروری ہے۔

کتاب اللہ کے خاص کے متعلق ایک عظیم قاعدہ:

اگر کتاب اللہ کے خاص کے مقابلے میں خبر واحد یا قیاس آجائے تو اولاً یہ کوشش کریں گے کہ دونوں پر عمل ہو جائے اور کتاب اللہ کے خاص پر کوئی تبدیلی بھی نہ ہو۔

اور اگر دونوں پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کتاب اللہ پر عمل کیا جائے گا۔ خبر واحد اور قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

سوال: کتاب اللہ کے خاص کی مثال بیان کریں؟

جواب: **کتاب اللہ کے خاص کی پہلی مثال:**

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ

اور مطلقہ عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین قروء تک۔

۱)۔لفظ قروء کے دو معنی ہیں

۱۔طہر (یہ معنی امام شافعی مراد لیتے ہیں)

۲۔حیض (یہ معنی احناف مراد لیتے ہیں)

۲)۔لفظ "ثلثة" خاص ہے۔اس پر عمل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

پس امام شافعی اور امام اعظم ابو حنیفہ میں سے اس شخص کا نقطہ نظر زیادہ بہتر ہو گا جس کے نقطہ نظر میں لفظ ثلثة پر پورے پورے طور پر عمل ہو رہا ہو گا۔

امام شافعی کے طہر مراد لینے پر دلیل:

امام شافعی نے لفظ قروء سے طہر مراد لیا ہے۔اس پر دلیل ایک نحوی قاعدے کو بنایا ہے۔مثلاً: کہتے ہیں،لفظ طہر مذکر ہے یہ کہ لفظ حیض بلکہ یہ تو مؤنث ہے۔

کتاب اللہ میں ثـــلثۃ مونث آیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ معدود مذکر ہونا چاہیے۔اور معدود اسی وقت مذکر ہوگا جب آپ لفظ قروء سے طہر مراد لیں گے۔

امام شافعی کے موقف پر اعتراض:

اگر امام شافعی کے اس موقف کو مان لیا جائے تو کتاب اللہ کے خاص پر ہر گز عمل نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ کمی رہ جائے گی۔اس لیے کہ جس طہر میں طلاق دی گئی ہے۔وہ طہر بحر حال ادھورا ہوگا اور اگلے دو طہر مکمل ہوں گے۔پس عدت مکمل طور پر تین طہر نہیں شمار ہو سکے گی۔

احناف کا موقف:

احناف کے نزدیک قروء سے مراد حیض ہے۔اور طہر میں طلاق دینا مستحب ہے۔پس جب طہر میں طلاق دے گا۔تو عورت اگلے تین حیض کامل عدت گزارے گی۔

پس اس صورت میں لفظ ثلثۃ پر پورا پورا عمل ہو رہا ہوگا۔لہٰذا احناف کا نقطہ نظر بہتر اور راجح ہے۔

امام شافعی کے موقف کا رد:

امام شافعی نے قروء سے مراد طہر لینے کے لیے قیاس (نحوی قاعدہ) سے کام لیا ہے۔ اور ہم اوپر لکھوا چکے ہیں کہ اگر کتاب اللہ کے خاص کے مقابلے میں قیاس آجائے اور اگر دونوں پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو قیاس کو چھوڑ دیں گے اور کتاب اللہ کے خاص پر عمل کریں گے۔

چونکہ امام شافعی کے قیاس کرنے کی صورت میں کتاب اللہ کے خاص پر یعنی ثلثۃ پر پورا پورا عمل نہیں ہو رہا اس لیے اس کو چھوڑ دیں گے پس امام شافعی کا قیاس نا قابل قبول ہے۔

مذکورہ بالا اختلاف پر متفرع ہونے والے چند مسائل:

ا۔احناف کے نزدیک تیسرے حیض میں عورت سے رجوع ہو سکتا ہے ، شوافع کے نزدیک رجوع نہیں ہو سکتا۔

ایک جماعت کو شامل ہو۔ جیسے: من و ما

کریں؟

میں عمل کرنا لازمی وضروری ہے۔

خاص کے متعلق ایک عظیم قاعدہ:

مقابلے میں خبر واحد یا قیاس آجائے تو اولاً یہ کوشش کریں

کے خاص پر کوئی تبدیلی بھی نہ ہو۔

ہو تو پھر کتاب اللہ پر عمل کیا جائے گا۔خبر واحد اور قیاس کو

بیان کریں؟

لی مثال:

صْنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ

کے رکھیں اپنے آپ کو تین قروء تک۔

بتے ہیں)

بتے ہیں)

س کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

حنیفہ میں سے اس شخص کا نقطہ نظر زیادہ بہتر ہوگا جس کے

عمل ہو رہا ہوگا۔

۲۔عورت کا کسی اور سے نکاح کرنا درست ہوگا ، احناف کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔

۳۔احناف کے نزدیک ٹھہری رہے گی آزاد نہیں ہوگی ، شوافع کے نزدیک آزاد ہوگی۔

۴۔احناف کے نزدیک عدت کے لیے سکونت اور خرچہ شوہر دے گا جبکہ شوافع کے نزدیک یہ دونوں چیزیں نہیں ملیں گی۔

۵۔احناف کے نزدیک شوہر تیسرے حیض میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا اور اس کے علاوہ چار بھی نہیں رکھ سکتا۔ جبکہ شوافع کے نزدیک یہ دونوں کام ہوسکتے ہیں۔

۶۔ تیسرے حیض میں شوافع کے نزدیک عورت کے لیے شوہر کے مرنے کی صورت میں وراثت ثابت نہیں ہوگی جبکہ احناف کے نزدیک وراثت ثابت ہوگی۔

کتاب اللہ کے خاص کی دوسری مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي اَزْوَاجِهِمْ

تحقیق ہم جانتے ہیں جو ہم نے فرض کیا ہے شوہروں پر ان کی بیویوں کے بارے میں۔

نوٹ:

مسئلہ یہ ہے کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار احناف اور شوافع کے نزدیک بالاتفاق متعین نہیں ہے ، شرعی طور پر جبکہ کم سے کم مقدار کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے۔

احناف فرماتے ہیں کم سے کم مقدار متعین ہے۔اور شوافع کہتے ہیں کہ کم سے کم مقدار بھی متعین نہیں ہے۔

احناف کا نقطہ نظر:

احناف کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔دس درہم سے کم مہر نہیں رکھا جاسکتا۔

احناف کی دلیل:

ت ہوگا ، احناف کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔

آزاد نہیں ہوگی ، شوافع کے نزدیک آزاد ہوگی۔

یے سکونت اور خرچہ شوہر دے گا جبکہ شوافع کے نزدیک یہ

یض میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا اور اس کے

دیک یہ دونوں کام ہوسکتے ہیں۔

یک عورت کے لیے شوہر کے مرنے کی صورت میں

ریک وراثت ثابت ہوگی۔

کے خاص کی دوسری مثال:

سنا عَلَيۡهِمۡ فِي اَزۡوَاجِهِمۡ

نے فرض کیا ہے شوہروں پر ان کی بیویوں کے بارے

یادہ مقدار احناف اور شوافع کے نزدیک بالاتفاق متعین

ر کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے۔

قدار متعین ہے۔ اور شوافع کہتے ہیں کہ کم سے کم مقدار

مہر کی کم ازکم مقدار دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم مہر

باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِي اَزۡوَاجِهِمۡ

اس آیت میں لفظ "فَـرَضۡـنَـا" خاص ہے۔ فرض کے معنی ہیں مقرر کر دینا ، متعین کر دینا۔

گویا کہ باری تعالیٰ یوں فرمارہا ہے کہ ہم نے شوہروں پر جو مہر مقرر کر دیا ہے وہ ہم جانتے ہیں۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہر کی ایک مقدار متعین ہے۔

پھر اس آیت کی تفسیر وتشریح رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی:

وَلَا مَهۡرَ لِاَقَلِّ مِنۡ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ

اور مہر دس درہم سے کم نہیں ہوگا۔

آیت اور حدیث کا یہ خلاصہ ہوا کہ آیت نے تعین کیا اور حدیث نے یہ بتایا کہ یہ تعین کم ازکم مقدار کا ہے اور وہ کم ازکم مقدار دس درہم ہے۔

امام شافعی کا موقف:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار کوئی نہیں ہے۔ ان کے نزدیک مہر دس درہم سے کم بھی ہوسکتا ہے۔

امام شافعی کی دلیل:

امام شافعی کے پاس قیاس ہے۔ انہوں نے نکاح کو عقد مالی (بیع) پر قیاس کیا ہے۔ عقود مالیہ میں فریقین جس قیمت پر راضی ہوجائیں وہی قیمت معتبر ہوتی ہے۔ پس نکاح میں بھی مہر وہ ہوگا جس پر زوجین راضی ہوں۔

نوٹ:

امام شافعی نکاح کو بھی عقد مالی سمجھتے ہیں۔

فریقین کے مذکورہ موقف پر متفرع ہونے والے مسائل:

چونکہ نکاح امام شافعی کے نزدیک عقد مالی ہے اس لیے:

۱۔امام شافعی کے نزدیک نکاح میں مشغولیت سے بہتر تنہائی میں نفل نماز ادا کرنا ہے۔

۲۔امام شافعی کے نزدیک نکاح کو طلاق کے ذریعے شوہر جس طرح چاہے باطل کر سکتا ہے۔ یعنی چاہے تو ایک طہر میں تین طلاقیں دے اور اگر چاہے تو تین طہروں میں تین طلاقیں دے اور اگر چاہے تو ایک جملے میں تین طلاقیں دے۔

۳۔امام شافعی عقد نکاح کو خلع کے ذریعے قابل فسخ سمجھتے ہیں۔

نوٹ:

احناف کا موقف مذکورہ تینوں مسئلوں میں شوافع کے موقف کے برعکس ہے۔

کتاب اللہ کے خاص کی تیسری مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ

اس آیت میں "تَـنْـکِـحَ" کا لفظ خاص ہے۔ نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے احناف یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ عاقلہ، بالغہ لڑکی اپنا نکاح اپنی مرضی سے جہاں چاہے کر سکتی ہے۔

اس کے برعکس امام شافعی کا فتویٰ یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث پاک ہے۔

حدیث: اَیُّمَا امْرَاَۃٍ نَکَحَتْ نَفْسَھَابِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ بَاطِلٌ بَاطِلٌ

ترجمہ: جو عورت اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کرے پس اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔

امام شافعی کی اس روایت کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے، کتاب اللہ کے خاص کے مقابلے میں ہے۔ دونوں پر عمل ناممکن ہے۔ پس خبر واحد کو چھوڑ دیں گے اور کتاب اللہ کے خاص پر عمل کریں گے۔

ولیت سے بہتر تنہائی میں نفل نماز ادا کرنا ہے۔
ق کے ذریعے شوہر جس طرح چاہے باطل کرسکتا ہے۔
اور اگر چاہے تو تین طہروں میں تین طلاقیں دے اور اگر

یعے قابل فسخ سمجھتے ہیں۔

سئلوں میں شوافع کے موقف کے برعکس ہے۔

<u>کے خاص کی تیسری مثال:</u>

اً غَیرَہٗ

کا لفظ خاص ہے۔نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو رہی
ہیں کہ عاقلہ، بالغہ لڑکی اپنا نکاح اپنی مرضی سے جہاں

وی یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح اپنے ولی کی
لیل یہ حدیث پاک ہے۔
ت نَفْسَہَا بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّہَا فَنِکَاحُہَا بَاطِلٌ بَاطِلٌ بَاطِلٌ
ح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کرے پس اس کا نکاح

اب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے، کتاب اللہ
ل ناممکن ہے۔پس خبر واحد کو چھوڑ دیں گے اور کتاب

<u>مذکورہ اختلاف پر متفرع ہونے والے مسائل:</u>

ا) اگر عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے تو امام شافعی کے نزدیک ایسی عورت سے وطی حلال نہیں ہوگی، مہر دینا لازم نہیں ہوگا ،خرچہ اور مکان دینا لازم نہیں ہوگا۔

ب) احناف کے ہاں یہ ساری چیزیں جائز ہوں گی یعنی وطی حلال ہوگی ، مہر دینا لازم ہوگا ، نفقہ دینا لازم ہوگا اور سکنی (رہائش) لازم ہوگی۔

ج) امام شافعی کے نزدیک ایسی خاتون جو اپنا نکاح خود کرلے اس کو طلاق دی جائے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔نیز اگر شوہر اسے تین طلاقیں دے دیتا ہے تو تب بھی اس کے ساتھ فوراً نکاح کیا جاسکتا ہے یہ متقدمین شوافع کا مسلک ہے۔

احناف کے نزدیک اس خاتون پر طلاق واقع ہوگی اور اگر تین طلاقیں شوہر دے دے تو بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہو سکے گا پہلے شوہر کے ساتھ۔

<u>نوٹ:</u>

تین طلاقوں کے بعد شوہر اول کا پھر سے سی عورت سے بغیر حلالہ کے نکاح کا جائز ہونا متقدمین شوافع کے ہاں ہے۔

متاخرین شوافع احتیاطاً اس سے منع کرتے ہیں اور احناف کے موافق ہیں۔

★★★

عام کی بحث:

نوٹ: عام کی تعریف اور امثلہ پیچھے گذر چکی ہیں۔

عام کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔عام "لَمۡ یَخُصَّ عَنۡهُ شَیۡئٌ" (وہ عام جس سے کسی چیز کو بھی خاص نہ کیا گیا ہو)

۲۔عام "خَصَّ عَنۡهُ شَیۡئٌ" (وہ عام جس سے کچھ نہ کچھ مخصوص ہوا ہو)

عام "لَمۡ یَخُصَّ عَنۡهُ شَیۡئٌ" کا حکم اور مثالیں:

حکم: اَمَّاالۡعَامُّ الَّذِیۡ لَمۡ یَخُصَّ عَنۡهُ شَیۡئٌ فَهُوَ بِمَنۡزِلَةِ الۡخَاصَّ فِي حَقِّ لُزُوۡمِ الۡعَمَلِ بِهٖ لَامُحَالَةَ

عام لم یخص عنه شئی قطعی طور پر لزوم عمل کے حق میں خاص کے درجے میں ہے۔

نوٹ:

اس حکم سے معلوم ہوا کہ جس طرح خاص پر عمل کرنا لازم ہے یقینی طور پر، اسی طرح عام لم یخص عنه شئی پر بھی یقینی طور پر عمل کرنا لازم ہے۔

نیز جس طرح کتاب اللہ کے خاص کے مقابلے میں خبر واحد یا قیاس آجانے کی صورت میں تطبیق (موافقت) نہ ہونے کی وجہ سے خبر واحد اور قیاس

کو ترک کردیا جاتا تھا اسی طرح عام لم یخص عنه شئی میں بھی اس کے حکم کے مقابلے میں اگر قیاس یا خبر واحد آجائے اور موافقت ممکن نہ ہو تو خبر واحد اور قیاس کو ترک کردیں گے۔

اور اگر موافقت ہو رہی ہو تو دونوں پر عمل کریں گے۔

عام "لَمۡ یَخُصَّ عَنۡهُ شَیۡئٌ" کے حکم پر چند مثالیں:

مثال نمبر ۱:

احناف فرماتے ہیں کہ جب چور سے چوری کا مال ہلاک ہوجائے پھر اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو اس چور پر ہلاک شدہ مال کا تاوان دینا لازم نہیں ہوگا۔ ہاتھ کاٹنا ہی اس کے جرم کی مکمل سزا ہوگی۔

عام کی بحث:

مثلہ پیچھے گذر چکی ہیں۔

عام جس سے کسی چیز کو بھی خاص نہ کیا گیا ہو)

جس سے کچھ نہ کچھ مخصوص ہوا ہو)

مثالیں:

ہٗ شَئیٌ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْخَاصِّ فِي حَقِّ لُزُوْمِ الْعَمَلِ

طور پر لزوم عمل کے حق میں خاص کے درجے میں ہے۔

رح خاص پر عمل کرنا لازم ہے یقینی طور پر، اسی طرح عام

رنا لازم ہے۔

اص کے مقابلے میں خبر واحد یا قیاس آجانے کی صورت

ر واحد اور قیاس

م یخص عنه شئی میں بھی اس کے حکم کے مقابلے

ممکن نہ ہو تو خبر واحد اور قیاس کو ترک کر دیں گے۔

ں پر عمل کریں گے۔

پر چند مثالیں:

ور سے چوری کا مال ہلاک ہو جائے پھر اس کا ہاتھ کاٹا

دینا لازم نہیں ہوگا۔ ہاتھ کاٹنا ہی اس کے جرم کی مکمل سزا

اس پر دلیل یہ ہے کہ:

وہ آیت جس میں چور کی سزا بیان کیا گیا ہے اس میں لفظ ''ما'' استعمال ہوا ہے اور لفظ ''ما'' کلمہ عام ہے جو چور کے تمام جرائم کو شامل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا

چور اور چورنی کے ہاتھوں کو کاٹ دو یہ سزا ہے اس کی جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔

اس آیت میں لفظ ''بما'' میں ''ما'' عام ہے۔

اگر ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ساتھ تاوان بھی لازم کر دیا جائے تو سزا دو چیزوں کا مجموعہ ہو جائے گی یعنی ہاتھ ہاتھ کاٹنا اور تاوان لینا حالانکہ قرآن نے صرف ایک سزا بیان کی ہے۔ یعنی ہاتھ کاٹنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک چور سے مال ہلاک ہونے کے بعد ہاتھ تو کاٹا جائے گا مگر تاوان نہیں لیا جائے گا۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ غصب پر قیاس کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جس طرح غاصب سے مال ہلاک ہونے کے باوجود تاوان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح سارق سے بھی مال کے ہلاک ہونے کے باوجود تاوان لیا جائے گا۔

احناف فرماتے ہیں اس قیاس کی وجہ سے کتاب اللہ کے عام پر عمل کرنے کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

لفظ 'ما' کے عام ہونے پر دلیل:

لفظ 'ما' کے عموم کو امام محمد علیہ الرحمۃ نے اس مثال میں بیان فرمایا ہے۔

جب آقا نے اپنی لونڈی سے کہا:

اِنْ كَانَ مَافِي بَطْنِكِ غُلَاماً فَاَنْتِ حُرَّةٌ

تیرے پیٹ میں جو کچھ ہے اگر وہ لڑکا ہے تو ، تو آزاد ہے۔

پھر اس لونڈی نے لڑکا اور لڑکی دونوں کو جنم دیا تو وہ آزاد نہیں ہوگی۔ کیوں کہ لفظ 'ما' کا عموم یہ تقاضہ کرتا ہے کہ پیٹ سے خارج ہونے والی چیز صرف مذکر ہو۔ جبکہ اس صورت میں مذکر و مؤنث

دونوں ہیں لہٰذا آزادی کی شرط نہیں پائے جائے گی۔

مثال نمبر۲:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ

اتنا قرآن پڑھو جتنا پڑھنا آسان لگے۔

اس میں لفظ 'ما' عام ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ:

نماز میں قرآن جتنا آسانی کے ساتھ پڑھنا ممکن ہو جہاں سے چاہے پڑھ لے تلاوت کا فرض ادا ہو جائے گا۔

اس تقریر سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کا جواز سورۃ فاتحہ کی قرأت پر موقوف نہیں ہے۔یعنی ایسا نہیں ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو نماز جائز ہوگی اور سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو نماز جائز نہیں ہوگی۔

درست یہ ہے کہ کہیں سے بھی قرآن پڑھ لے نماز جائز ہو جائے گی۔

اعتراض:

آپ کی مندرجہ بالا تقریر پر اعتراض ہے۔آپ کہہ رہے ہیں کہ کہیں سے بھی قرآن پڑھ لے نماز جائز ہوگی سورۃ فاتحہ پر نماز کا جواز موقوف نہیں ہے۔آپ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

اعتراض کا جواب:

اس مقام پر ہم حدیث اور کتاب اللہ کے عموم دونوں پر عمل کرتے ہیں اس انداز سے کہ نہ تو کتاب اللہ کے عموم پر کوئی تبدل ہوتا ہے اور نہ ہی خبر رسول ﷺ پر کوئی تبدل ہوتا ہے۔پس

ائے گی۔

ن لگے۔

کا تقاضہ یہ ہے کہ:

ساتھ پڑھنا ممکن ہو جہاں سے چاہے پڑھ لے تلاوت

ہوا کہ نماز کا جواز سورۃ فاتحہ کی قرأت پر موقوف نہیں ہے
و نماز جائز ہوگی اور سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو نماز جائز

رآن پڑھ لے نماز جائز ہو جائے گی۔

تراض ہے۔آپ کہہ رہے ہیں کہ کہیں سے بھی قرآن
واز موقوف نہیں ہے۔آپ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ

ب اللہ کے عموم دونوں پر عمل کرتے ہیں اس انداز سے کہ
ہے اور نہ ہی خبر رسول ﷺ پر کوئی تبدل ہوتا ہے۔پس

ہم خبر کو نفی کمال پر محمول کریں گے۔اور یہ ترجمہ کریں گے کہ:

''سورۃ فاتحہ کے بغیر کامل نماز نہیں ہوگی''

پس آیت پر عمل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ مطلق قرأت فرض ہے۔یہ کتاب اللہ کا حکم ہے اور سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے یہ حکم حدیث سے ثابت ہے۔

<u>مثال نمبر۳:</u>

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَاتَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِاسْمُ اللهِ عَلَيْهِ

اورتم مت کھاؤ ان مذبوح جانوروں کو جن پر ذبح کے وقت (جان بوجھ کر) بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔

یہ آیت کریمہ صاف صاف بتلاتی ہے کہ وہ جانور جس پر عمداً بسم اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔

اور خبر اس کے برعکس وارد ہوئی ہے۔

حضور ﷺ سے ایسے جانور کے متعلق سوال کیا گیا جس پر عمداً بسم اللہ کو چھوڑ دی گئی ہو۔

پس آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُوْهُ ، فَاِنَّ تَسْمِيَةَ اللهِ تَعَالٰى فِي قَلْبِ كُلِّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ

ایسے جانور کو کھالو، کیوں کہ بسم اللہ شریف ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔

پس اس خبر اور آیت کریمہ میں تطبیق اور توفیق ناممکن ہے۔اس صورت میں خبر کو چھوڑ دیا جائے گا اور کتاب اللہ کے حکم عام پر عمل کیا جائے گا۔

<u>نوٹ:</u>

مثال نمبر۴:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری مائیں ہیں وہ خواتین جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔

یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے تقاضہ کرتی ہے کہ مرضعہ کے ساتھ نکاح حرام ہے۔(عام ازیں کہ مرضعہ نے دودھ کم پلایا ہو یا زیادہ یا ایک قطرہ)

خبر اس آیت کے مخالف وارد ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے:

لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ ، وَلَا الْاِمْلَاجَةُ وَلَا لْاِمْلَاجَتَانِ

ایک اور دو چسکیاں حرمت کو ثابت نہیں کرتیں

ایک اور دو دفعہ پستان کو داخل کرنا حرمت کو ثابت نہیں کرتا

یہ خبر آیت کے مخالف ہے۔آیت اور خبر میں موافقت بھی ناممکن ہے پس خبر کو چھوڑ دیں گے اور آیت پر عمل کریں گے۔

☆☆☆

ں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔

تی ہے کہ مرضعہ کے ساتھ نکاح حرام ہے۔(عام ازیں

قطرہ)

۔ وہ یہ ہے:

ن ، وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَلَا لِإِمْلَاجَتَانِ

ت نہیں کرتیں

ر ناحرمت کو ثابت نہیں کرتا

ر میں موافقت بھی ناممکن ہے پس خبر کو چھوڑ دیں گے اور

☆☆☆

عام خُصَّ عَنْهُ الْبَعْض کی بحث:

سوال: عام خُصَّ عَنْهُ الْبَعْض کی تعریف کریں؟

جواب: عام کے حکم عمومی سے بعض افراد کو خاص کر لینا۔

سوال: عام خُصَّ عَنْهُ الْبَعْض کا حکم تحریر کریں؟

جواب: فَحُكْمُهُ : اَنَّهُ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ فِي الْبَاقِيْ مَعَ الْاِحْتِمَالِ ، فَاِذَا قَامَ الدَّلِيْلُ عَلٰى تَخْصِيْصِ الْبَاقِيْ يَجُوْزُ تَخْصِيْصُهُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ اَوِ الْقِيَاسِ اِلٰى اَنْ يَّبْقَى الثَّلَاثُ ، وَبَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَجُوْزُ ، فَيَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ۔

ترجمہ:

عام کے باقی افراد میں تخصیص ہو جانے کے بعد عمل کرنا واجب ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ تخصیص کا احتمال بھی رہے گا۔ پس جب بقیہ افراد کی تخصیص پر دلیل قائم ہو جائے تو جائز ہے اس کی تخصیص کرنا خبر واحد کے ساتھ اور قیاس کے ساتھ یہاں تک کہ عام کے تین افراد باقی رہ جائیں۔ اس کے
بعد تخصیص جائز نہیں ہوگی اور عمل کرنا واجب ہوگا۔

تشریح:

ذہن نشین رہے کہ عام خُصَّ عَنْهُ الْبَعْض میں اولاً تخصیص دلیل قطعی کے ذریعے ہوتی ہے۔ جب ایک دفعہ دلیل قطعی کے ذریعے تخصیص ہو جائے تو اس کے بعد عام میں خبر واحد اور قیاس کے ذریعے بھی تخصیص جائز ہے۔

☆☆☆

مطلق اور مقید کی بحث

احناف رحمہ اللہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب تک کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کے مطلق پر عمل کرنا ممکن ہو اس وقت تک اس پر خبر واحد یا قیاس کے ذریعے زیادتی کرنا ناجائز ہے۔

اس اصول پر چند مثالیں:

پہلی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ

پس تم دھولو اپنے چہروں کو۔

اس آیت کریمہ میں مطلقاً دھونے کا حکم ہے۔ پس نیت کو، ترتیب کو، موالات (پے در پے) اور تسمیہ کو شرط کہہ کر اس پر زیادتی کرنا خبر کے ذریعے جائز نہیں ہوگا۔

ہاں! یہ ممکن ہے کہ خبر پر اس طور پر عمل کیا جائے کہ کتاب اللہ کا حکم تبدیل نہ ہو۔ پس دونوں میں تطبیق و توفیق کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ مطلقاً دھونا فرض ہے کتاب اللہ کے حکم کی وجہ سے جبکہ خبر کی وجہ سے نیت، تسمیہ، ترتیب اور موالات سنت ہیں۔

مثال نمبر۲:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ

زانیہ عورت اور زانی مرد پس تم ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

پس قرآن مجید نے سو کوڑوں کو زنا کی حد (سزا) قرار دے دیا ہے۔ اس خبر رسول کی وجہ سے ملک بدری یعنی جلاوطنی کو حد کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔

اَلۡبِكۡرُ بِالۡبِكۡرِ جَلۡدُ مِائَةٍ وَتَغۡرِيۡبُ عَامٍ

زنا کی سزا سو کوڑے ہیں اور جلاوطنی ہے۔

ہاں! ہم حدیث پر عمل کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ تطبیق کی صورت نکالیں گے اور اس طرح عمل

ق اور مقید کی بحث

ے کہ جب تک کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کے مطلق
حد یا قیاس کے ذریعے زیادتی کرنا ناجائز ہے۔

کم ہے۔پس نیت کو، ترتیب کو، موالات (پہ در پہ) اور
ر یعے جائز نہیں ہوگا۔
ور پر عمل کیا جائے کہ کتاب اللہ کا حکم تبدیل نہ ہو۔پس
یں گے کہ مطلقاً دھونا فرض ہے کتاب اللہ کے حکم کی وجہ
ر موالات سنت ہیں۔

ِ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
ن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔
حد (سزا) قرار دے دیا ہے۔اس خبر رسول کی وجہ سے
ائے گا۔
رِیبُ عَامٍ
وطنی ہے۔
نہیں بلکہ تطبیق کی صورت نکالیں گے اور اس طرح عمل

کریں گے کہ کتاب اللہ کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

پس ہم کہیں گے کہ زنا کی حد شرعی سو کوڑے ہی ہیں۔اور جلاوطنی کا جواز سیاسی طور پر ہے۔

نوٹ:

جلاوطنی کی سزا کا جواز سیاسی طور پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی یا حکمران وقت اگر سو کوڑوں کی سزا کے ساتھ جلاوطنی کی سزا کو بھی مناسب خیال کرتا ہے تو جلاوطن کردے اور اگر مناسب خیال نہیں کرتا تو نہ کرے۔

فائدہ:

ذہن میں رکھ لیں کہ حد میں کسی کو اختیار نہیں ہوتا بلکہ من وعن وہ حد لگائی جاتی ہے۔

جیسے: سو کوڑے۔

قاضی اپنی مرضی سے اس میں کمی پیشی نہیں کر سکتا۔

اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملک بدری حد نہیں ہے۔

تیسری مثال:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ

چاہیے کہ وہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

یہ آیت کریمہ طواف کے ذکر میں مطلق ہے۔یعنی اس میں طواف کرنے کا حکم دیا گیا ہے کسی اور چیز کا نہیں۔

پس خبر کے ذریعے وضو کو شرط قرار دے کر اضافہ کرنا، زیادتی کرنا درست نہیں ہوگا۔ یعنی طواف کرنے سے پہلے وضو کو شرط قرار دینا یہ مطلق پر زیادتی ہوگی۔ جو کہ ہمارے ہاں جائز نہیں ہے۔

ہاں! تطبیق کی صورت ہو سکتی ہے کہ خبر واحد پر اس انداز سے عمل کیا جائے کہ کتاب اللہ کے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔پس ہم کہیں گے کہ کتاب اللہ کے حکم کی وجہ سے مطلق طواف فرض ہے اور خبر

کے حکم کی وجہ سے وضو واجب ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص بغیر وضو کے طواف کر لے تو اس کا طواف ہو جائے گا؟

جواب: ہاں جی! لیکن وضو واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے طواف میں کمی آجاتی ہے۔ پس اس کمی کو دم (خون بہا) کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

مثال نمبر۴:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس آیت میں مطلق رکوع کا ذکر ہوا ہے خبر واحد کی وجہ سے رکوع میں تعدیل کو شرط کہنا مطلق پر زیادتی ہوگی جو کہ ناجائز ہے۔

ہاں! دونوں میں یعنی کتاب اللہ اور خبر واحد میں تطبیق ممکن ہے۔ بایں طور کہ حکم کتاب کی وجہ سے مطلق رکوع فرض ہوگا اور خبر واحد کی وجہ سے تعدیل واجب ہوگی۔

نوٹ:

تعدیل کا معنی ہے اطمینان اور سکون احناف کے نزدیک نماز میں چار مقامات پر تعدیل واجب ہے۔

۱) رکوع ۲) قومہ ۳) سجود ۴) جلسہ

سوال: اگر کوئی شخص تعدیل نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اس پر سجدہ سہو لازم آجائے گا ، نہیں کرے گا تو نماز واجب الاعادہ ہے ، کر لے گا تو نماز درست ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا اصول پر متفرع ہونے والا ایک فقہی مسئلہ:

اس اصول پر کہ مطلق اپنے اطلاق پر چلتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ماء زعفران کے ساتھ وضو جائز ہے۔ اسی طرح ہر اس پانی کے ساتھ وضو جائز ہے۔ اسی طرح ہر اس پانی کے ساتھ وضو

کرلےتواس کا طواف ہوجائے گا؟

وڑنے کی وجہ سے طواف میں کمی آجاتی ہے۔پس اس کمی

گا۔

ھ رکوع کرو۔

ے خبر واحد کی وجہ سے رکوع میں تعدیل کو شرط کہنا مطلق پر

داور خبر واحد میں تطبیق ممکن ہے۔بایں طور کہ حکم کتاب کی

وجہ سے تعدیل واجب ہوگی۔

کون احناف کے نزدیک نماز میں طارمقامات پر تعدیل

مہ ۳) سجود ۴) جلسہ

کیا حکم ہے؟

، نہیں کرے گا تو نماز واجب الاعادہ ہے ، کرلے

متفرع ہونے والا ایک فقہی مسئلہ:

لاق پر چلتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ماء زعفران کے ساتھ

اتھ وضو جائز ہے۔اسی طرح ہر اس پانی کے ساتھ وضو

جائز ہے ، جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اس پاک چیز نے پانی کے اوصاف میں سے کسی وصف کو تبدیل کردیا ہو۔

سوال: ایسے پانی کے ساتھ جس کا آپ نے ذکر کیا وضو کیوں جائز ہے؟

جواب: یاد رکھیں! تیمّم کی شرط یہ ہے کہ مطلق پانی موجود نہ ہو اور یہ پانی جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ماء مطلق ہیں۔لہٰذا ان سے وضو جائز ہے۔

سوال: پانی کے ساتھ آپ نے مضاف الیہ کی قید لگائی ہے جیسے: "مَاءُ الزُّعْفَرَانِ" وغیرہ تو اس قید کی وجہ سے بھی ماء مطلق ہی رہے گا؟

جواب: ہاں جی! کیوں کہ اس قید نے پانی کے لفظ کو ہٹایا نہیں ہے بلکہ پانی کے لفظ کو پختہ کیا ہے کہ یہ پانی ہی ہے۔مثلاً: ہم نے یوں کہا (زعفران کا پانی)۔

اعتراض:

امام شافعی رحمہ اللہ ماء مطلق کی شرط یہ بیان کرتے ہیں کہ ماء مطلق وہ ہوگا جو "مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَآءِ" کی صفت پر ہو۔کیا ان کا یہ کہنا درست ہے۔

جواب:

ہمارے ہاں درست نہیں ہے کیوں کہ ماء مطلق کے لیے "مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَآءِ" کی شرط لگانا مطلق کو مقید کرنے کے برابر ہے۔اور ہمارے نزدیک مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ:

مذکورہ بالا تقریر سے "مَاءُ الزُّعْفَرَانِ ، مَاءُ الصَّابُوْنِ اور مَاءُ الْاُشْنَانِ" وغیرہ وغیرہ کا حکم معلوم ہو گیا کہ یہ پانی پاک ہیں اور ان سے وضو جائز ہے۔

اعتراض:

پھر تو "مَاءُ النَّجِسِ" سے بھی وضو جائز ہونا چاہیے۔کیوں کہ مضاف الیہ کی قید نے پانی کے نام کو ہٹایا نہیں ہے۔لہٰذا آپ کے اصول کے مطابق "مَاءُ النَّجِسِ" سے بھی وضو درست ہونا چاہیے۔

جواب:

"مَاءُ النَّجِسِ" خود آیت کریمہ سے خارج ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْ صَعِيْداً طَيِّباً

پس اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ

اور لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں خوب پاک صاف کردے

اس آخری جملے کی وجہ سے ماء النجس نکل گیا۔ کیوں کہ ماء النجس مفید طہارت نہیں ہوتا۔

نوٹ:

"فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً" سے ماء مطلق کا بھی ذکر ہو گیا اور یہاں ماء مطلق صرف "مَاءٌ" کہہ کر بیان کیا گیا "مَاءٌ" کے ساتھ "مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَاءِ" کی صفت بیان نہیں کی گئی۔

مثال نمبر۵:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مظاہر حرمت ظہار ختم کرنے کے لیے کھانا کھلانے کی صورت میں کفارہ ادا کرے تو وہ کھانا کھلانے کے دوران ہی بیوی سے مجامعت کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس کو دوبارہ کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

کیوں کہ کتاب اللہ کھانا کھلانے کے حق میں مطلق ہے یعنی کھانا کھلانے کی صورت میں "مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا" کی قید نہیں ہے۔

پس روزے پر قیاس کرتے ہوئے "مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّآ" کی قید لگانا کتاب اللہ کے مطلق پر زیادتی ہوگی جو کہ ناجائز ہے۔

اصول یہ چلے گا۔

"اَلْمُطْلَقُ يَجْرِىْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ وَالْمُقَيَّدُ عَلٰى تَقْيِيْدِهٖ"

سے خارج ہے۔

داً طَیِّباً

سے تیمّم کرو

رِکُمْ

یں خوب پاک صاف کر دے

ں گیا۔ کیوں کہ ماء النجس مفید طہارت نہیں ہوتا۔

طلق کا بھی ذکر ہو گیا اور یہاں ماء مطلق صرف "مَاءٌ" کہہ

ـنَ السَّمَآءِ "کی صفت بیان نہیں کی گئی۔

تے ہیں کہ اگر مظاہر حرمت ظہار ختم کرنے کے لیے کھانا
وہ کھانا کھلانے کے دوران ہی بیوی سے مجامعت کر سکتا
لانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نے کے حق میں مطلق ہے یعنی کھانا کھلانے کی صورت میں

ے "مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا" کی قید لگانا کتاب اللہ کے

قِهٖ وَالْمُقَیَّدُ عَلیٰ تَقْیِیْدِهٖ"

مطلق اپنے اطلاق پر چلے گا اور مقید اپنی تقیید پر چلے گا۔

مثال نمبر ۶:

مذکورہ مسئلے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ کفارہ یمین اور کفارہ ظہار میں مطلق غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔ مطلق غلام کا مطلب ہے کہ مومن ہو یا کافر، کالا ہو یا سفید۔

کفارہ قتل میں مومن غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔

پس کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے ظہار اور یمین کے کفارے میں بھی ایمان کی شرط لگانا مطلق پر زیادتی ہوگی۔ جو کہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

"اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلیٰ اِطْلَاقِهٖ وَالْمُقَیَّدُ عَلیٰ تَقْیِیْدِهٖ" اس اصول کے ذریعے احناف پر چند اعتراضات:

احناف نے یہ جو اصول بیان کیا ہے اس اصول کے ذریعے جو احناف پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ہم پہلے آپ کو اعتراضات لکھواتے ہیں پھر ان کے جواب لکھوائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱:

قرآن مجید میں "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ" کہہ کر مطلق ، بعض سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اے احناف تم نے خبر واحد کے ذریعے چوتھائی سر کے مسح کو فرض کہا ہے۔ پس تم نے خبر واحد کے ذریعے مطلق کو مقید کر دیا۔ حالانکہ دوسروں کو آپ کہتے ہیں کہ مطلق کو مقید نہیں کرنا چاہیے، اور آپ نے خود ایسا کیا۔ خود کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اعتراض نمبر ۲:

حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہونے والی عورت شوہر اور کے لیے بحکم قرآن اس وقت تک حلال ہوگی جب وہ کسی اور سے نکاح کر لے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَهٗ

لیکن اے احناف آپ نے رفاعۃ کی بیوی والی حدیث کے ذریعے نکاح کے ساتھ دخول کی قید کا اضافہ کیا ہے۔ اس قید کے ذریعے تم نے مطلق کو مقید کر دیا ہے۔ اور تمہارے اپنے اصول

کے مطابق یہ ناجائز ہے۔ پس تم نے ایسا کیوں کیا۔

پہلے اعتراض کا جواب:

ہم یہ مانتے ہی نہیں ہیں کہ کتاب اللہ میں مسح رأس کا حکم مطلق ہے۔ یعنی ہم اس کو مطلق نہیں مانتے۔ کیوں کہ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کے کسی ایک فرد پر عمل کرنے والا پورے مامور بہ پر عمل کرنے والا ہے۔ جبکہ مسح کا معاملہ یہ ہے کہ یہاں بعض حصے پر عمل کرنے والا پورے مامور بہ پر عمل کرنے والا نہیں ہے۔ پس بے شک اگر کوئی شخص نصف رأس کا یا دو تہائی کا مسح کرتا ہے تو یہ پورا مسح کرنا فرض نہیں ہوگا۔

پس اس تفصیل سے مطلق مجمل سے جدا ہو گیا۔ یعنی مطلق اور ہے اور مجمل اور ہے۔

پس ہامرے نزدیک مسح رأس کا حکم مطلق نہیں مجمل ہے۔ اور خبر واحد اس مجمل کی تفصیل ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:

بعض احناف فرماتے ہیں کہ دخول کی قید کا ثبوت خود نص سے ہے۔ کیوں کہ نص میں نکاح وطی کے معنی پر محمول ہے۔ اور عقد نکاح لفظ زوجاً سے حاصل ہو رہا ہے۔ پس اعتراض ختم ہو گیا۔

اور بعض احناف نے یہ جواب دیا کہ جس خبر کے ذریعے دخول کی قید لگائی گئی ہے وہ خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور ہے۔

پس احناف پر خبر واحد کے ذریعے مقید کرنے کا الزام نہیں لگے گا۔

☆☆☆

مشترک اور مؤول کا بیان

سوال: مشترک کی تعریف امثلہ اور حکم بیان کریں؟

جواب: **مشترک کی تعریف:**

مَاوُضِعَ لِمَعْنَيَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ اَوْ لِمَعَانٍ مُخْتَلِفَةِ الْحَقَائِقِ

مشترک وہ لفظ ہے جسے دو مختلف معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو یا چند مختلفۃ الحقائق معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

امثلہ: جَارِیَۃٌ (یہ باندی اور کشتی کے معنی میں مشترک ہے)

مُشْتَرِیْ (یہ خریدار اور آسمان کے ستارے کے درمیان مشترک ہے)

بَائِنٌ (یہ جدائی اور بیان کے معنی کے درمیان مشترک ہے)

مشترک کا حکم:

حُکْمُ الْمُشْتَرَكِ: اَنَّهُ اِذَا تَعَيَّنَ الْوَاحِدُ مُرَاداً بِهٖ سَقَطَ اِعْتِبَارُ اِرَادَةِ غَيْرِهٖ

مشترک کا حکم یہ ہے کہ جب ایک معنی بطور مراد کے متعین ہو جائے تو دوسرے معنی کا اعتبار کرنا ساقط (ختم) ہو جاتا ہے۔

سوال: حکم مشترک کی مثالیں تحریر کریں؟

جواب: **مثال نمبر۱:**

علماء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ لفظ "قــروء" یا تو حیض پر محمول ہے جیسا کہ مذہب احناف ہے یا طہر پر محمول ہے جیسا کہ مذہب شوافع ہے۔

مثال نمبر۲:

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کسی نے بنی فلاں کے موالی کے لیے وصیت کی اور بنوں فلاں کے موالی اعلیٰ بھی ہوں اور موالی اسفل بھی ہوں پھر وصیت کرنے والا مر جائے تو یہ وصیت اعلیٰ اور اسفل دونوں کے حق میں باطل ہو جائے گی۔ کیوں کہ وصیت کا مال دونوں کو دینا ناممکن ہے اور ان میں سے کوئی ایک

وں کیا۔

ب اللہ میں مسح رأس کا حکم مطلق ہے۔ یعنی ہم اس کو مطلق
س کے کسی ایک فرد پر عمل کرنے والا پورے مامور بہ پر
ہے کہ یہاں بعض حصے پر عمل کرنے والا پورے مامور بہ پر
ر کوئی شخص نصف رأس کا یا دو تہائی کا مسح کرتا ہے تو یہ پورا

ا ہو گیا۔ یعنی مطلق اور ہے اور مجمل اور ہے۔
ق نہیں مجمل ہے۔ اور خبر واحد اس مجمل کی تفصیل ہے۔

خول کی قید کا ثبوت خود نص سے ہے۔ کیوں کہ نص میں
کاح لفظ زوجاً سے حاصل ہو رہا ہے۔ پس اعتراض ختم

دیا کہ جس خبر کے ذریعے دخول کی قید لگائی گئی ہے وہ خبر

یعے مقید کرنے کا الزام نہیں لگے گا۔

☆☆☆

راجح بھی نہیں ہے کہ کسی ایک کو ترجیح دی جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے۔

نوٹ:

مثال نمبر۳:

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنتِ عَلَیَّ مِثلُ اُمِّی" (تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے)۔ایسا کہنے والا مظاہر (ظہار کرنے والا) نہیں کہلائے گا۔کیوں کہ یہ جملہ کرامت اور حرمت کے مابین مشترک ہے۔پس قائل سے اس کی نیت پوچھ کر فتویٰ لگایا جائے گا۔

مثال نمبر۴:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

جس قسم کا چوپایا مارا ہے اس کی مثل جزا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ "مِثلٌ" استعمال ہوا ہے اور "مِثلٌ" مشترک ہے۔مثل صوری اور مثل معنوی کے مابین۔

احناف کے نزدیک بلااتفاق مثل معنوی مراد ہے اور شوافع کے نزدیک مثل صوری مراد ہے۔

احناف کا شوافع پر اعتراض:

شوافع چھوٹے چھوٹے پرندوں کے شکار میں مثل معنوی ہی مراد لیتے ہیں ۔مثلاً: کبوتر، چڑیا وغیرہ

پس جب تم نے اے شوافع چھوٹے چھوٹے جانوروں میں مثل معنوی مراد لیا ہے۔بڑے جانوروں میں بھی مثل معنوی مراد لو۔پس یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی آیت کریمہ میں تم مثل صوری بھی

ئے اوردوسرے کوچھوڑ دیاجائے۔

"اَنۡتِ عَلَیَّ مِثۡلُ اُمِّی" (تومجھ پرمیری ماں کی طرح
لا)نہیں کہلائے گا۔کیوں کہ یہ جملہ کرامت اورحرمت
ی نیت پوچھ کرفتویٰ لگایاجائے گا۔

زاہے۔
" استعمال ہواہےاور "مِثۡلٌ"مشترک ہے۔مثل صوری

س معنوی مراد ہےاورشوافع کے نزدیک مثل صوری مراد

س کے شکار میں مثل معنوی ہی مراد لیتے ہیں ۔مثلاً:

ٹے چھوٹے جانوروں میں مثل معنوی مرادلیاہے۔بڑے
ہ ناممکن ہے کہ ایک ہی آیت کریمہ میں تم مثل صوری بھی

مرادلواورمثل معنوی بھی مرادلو۔پس تمہارا ایسا کرنا درست نہیں۔

نوٹ:

مثل صوری سے مراد مارے ہوئے جانور کی طرح کا جانور بدلے میں دینا۔یعنی ایسا جانور دینا جوجسم، جثہ،اورسیرت میں مرے ہوئے جانور کی طرح ہو۔

جبکہ مثل معنوی سے مراد قیمت ہے۔

خلاصہ:

یہ حکم جو اوپر بیان ہوامحرم کا ہے۔حالت احرام میں محرم کا شکار کرنا حرام ہے۔اگر شکار کرے گا تو بدلہ دے گا۔احناف کے نزدیک جو جانور مارا ہے اس کی قیمت دے گا اور شوافع کے نزدیک چھوٹے جانوروں میں قیمت اور بڑے جانوروں میں ہم مثل جانور دے گا۔جو کہ ہمارے نزدیک درست نہیں۔

★★★

مؤول کا بیان

سوال: مؤول کی تعریف کریں اور حکم بتائیں؟

جواب: تعریف:

ثُمَّ اِذَا تَرَجَّحَ بَعْضُ وُجُوْهِ الْمُشْتَرَكِ بِغَالِبِ الرَّأْيِ يَصِيْرُ مُؤَوَّلاً

جب مشترک کے معانی میں سے کوئی ایک معنی (مجتہد) کے ظن غالب سے راجح قرار پائے تو وہ مؤول کہلائے گا۔

مؤول کا حکم:

وُجُوْبُ الْعَمَلِ بِهٖ مَعْ اِحْتِمَالِ الْخَطَاءِ

مؤول کا حکم یہ ہے کہ احتمال خطاء کے ساتھ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

سوال: حکم مؤول کی امثلہ تحریر کریں؟

جواب: مثال نمبر۱:

جب کسی نے بیع میں ثمن کو مطلق رکھا تو مراد وہ ثمن ہوگا جس چلن اور رواج شہر میں زیادہ ہے اور یہ مراد لینا بطور مؤول ہوگا۔

اگر ہم بطور مؤول یہ مراد نہ لیں تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ کیوں کہ نہ تو مختلف اثمان کو جمع کرنا ممکن ہے نہ کسی ایک کو ترجیح دینا ممکن ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مثال نمبر۲:

(الف) قروء سے مراد حیض لینا

(ب) آیت کریمہ "حتّٰی تَنْكِحَ" میں "تَنْكِحَ" سے مراد وطی لینا

(ج) طلاق کی بحث کے دوران الفاظ کنایۃ سے طلاق مراد لینا مؤول ہی کی مثالیں ہیں۔

مثال نمبر۳:

کسی شخص پر اتنا قرضہ ہو کہ وہ زکوٰۃ سے مانع ہو اور اس شخص کے پاس زکوٰۃ کے دو نصاب ہوں تو قرضہ اس نصاب سے دیا جائے گا جس میں آسانی ہو۔

مثلاً: کسی شخص کے پاس پیسوں کا بھی نصاب ہواور بکریوں کا بھی نصاب ہو پس قرضہ، پیسے والے نصاب سے ادا کیا جائے گا اور اس نصاب پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی۔

اور بکریوں والے نصاب پر زکوٰۃ لازم ہوجائے گی۔

مثال نمبر۴:

امام محمد مذکورہ بالا مسئلہ مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب کسی نے کسی خاتون سے اس طور پر شادی کی کہ وہ مہر میں پورا ایک نصاب دے گا۔اس بندے کے پاس بکریوں کا بھی نصاب ہو اور دراہم کا بھی نصاب ہو تو مہر کی ادائیگی دراہم والے نصاب سے کی جائے گی۔

یہاں تک کہ اگر دونوں نصابوں پر سال گزر گیا تو بکری والے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، دراہم والے نصاب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

★★★

مؤول کا بیان

نائیں؟

مُشْتَرَكِ بِغَالِبِ الرَّأْيِ يَصِيرُ مُؤَوَّلًا

یک معنی (مجتہد) کے ظن غالب سے راجح قرار پائے تو

لِ الْخَطَاءِ

اء کے ساتھ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

ں رکھا تو مراد وہ ثمن ہوگا جس چلن اور رواج شہر میں زیادہ

تو بیع فاسد ہوجائے گی۔ کیوں کہ نہ تو مختلف اثمان کو جمع

ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

نا

کِحَ" میں "تَنْكِحَ" سے مراد وطی لینا

الفاظ کنایۃ سے طلاق مراد لینا مؤول ہی کی مثالیں ہیں۔

ی زکوٰۃ سے مانع ہو اور اس شخص کے پاس زکوٰۃ کے دو

ئے گا جس میں آسانی ہو۔

مفسّر کا بیان

سوال: مفسّر کی تعریف حکم اور حکم کی مثالیں بیان کریں؟

جواب: **مفسّر کی تعریف:**

وَلَوْ تَرَجَّحَ بَعْضُ وُجُوهِ الْمُشْتَرَكِ بِبَيَانٍ مِّنْ قِبَلِ الْمُتَكَلِّمِ كَانَ مُفَسَّراً

اگر مشترک کے معانی میں سے ایک معنی متکلم کے بیان سے راجح ہو جائے تو وہ مفسّر کہلاتا ہے۔

حکم:

حُكْمُهٗ : اَنَّهٗ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ يَقِيْناً

اس کا حکم یہ ہے کہ: مفسّر پر عمل کرنا واجب ہے یقینی طور پر۔

مثال:

جب کسی شخص نے کہا "لِفُلَانٍ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مِنْ نَقْدِ بُخَارَا" فلاں شخص کو میں نے بخارا شہر کے دس درہم دینے ہیں۔

اس مثال میں "مِنْ نَقْدِ بُخَارَا" "عَشَرَةُ دَرَاهِمَ" کی تفسیر ہے جو خود متکلم نے کی ہے۔

نوٹ:

یاد رکھنا! مفسّر کا درجہ مؤوّل سے بلند ہوتا ہے۔

★★★

مفسّر کا بیان

...لیں بیان کریں؟

...شْتَرَكِ بِبَيَانٍ مِّنْ قِبَلِ الْمُتَكَلِّمِ كَانَ مُفَسَّراً

...متکلم کے بیان سے راجح ہوجائے تو وہ مفسَّر کہلاتا ہے۔

...هِ يَقِيناً

...کرنا واجب ہے یقینی طور پر۔

...عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مِنْ نَقْدِ بُخَارَا" فلاں شخص کو

...عَشَرَةُ دَرَاهِمَ " کی تفسیر ہے جو خود متکلم نے کی ہے۔

...ے بلند ہوتا ہے۔

★★★

حقیقت اور مجاز

سوال: حقیقت اور مجاز کی تعریف کریں؟

جواب: تعریف:

كُلُّ لَفْظٍ وَضَعَهُ وَاضِعُ اللُّغَةِ بِإِزَاءِ شَيْءٍ فَهُوَ حَقِيقَةٌ لَهُ ۔ وَلَوْ اُسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِهِ يَكُوْنُ مَجَازاً لَا حَقِيقَةً

ہر وہ لفظ جسے واضع لغت نے کسی چیز کے مقابلے میں وضع کیا ہو پس وہ لفظ اس چیز کے لیے حقیقت ہے۔

اور اگر وہ لفظ اس چیز کے علاوہ میں استعمال یا جائے تو مجاز ہوگا نہ کہ حقیقت۔

سوال: حقیقت اور مجاز کا اصول بیان کریں اور اس اصول پر مثالیں تحریر کریں؟

جواب: اصول:

ثُمَّ الْحَقِيقَةُ مَعَ الْمَجَازِ لَا يَجْتَمِعَانِ إِرَادَةً مِنْ لَفْظٍ وَاحِدٍ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ

حقیقت اور مجاز بیک وقت ایک لفظ سے مراد ہو کر ایک حالت میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

تشریح:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے:

حقیقت اور مجاز ایک ہی جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جہاں حقیقت مراد ہوگی وہاں مجاز مراد نہیں لیا جا سکتا اور جہاں مجازی معنی مراد لیا جائے گا وہاں حقیقی معنی مراد نہیں لے سکتے۔

مثالیں:

مثال نمبر ا:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

حدیث: لَا تَبِيعُوا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ وَلَا الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ

ترجمہ: مت بیچو ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے اور مت بیچو ایک صاع کو دو صاع کے بدلے۔

ہمارے نزدیک صاع سے مراد اس حدیث میں نفس صاع مراد نہیں ہے بلکہ وہ چیز مراد ہے جو اس صاع میں بھری جاتی ہے۔

پس جب ہم نے صاع سے مراد "مَا يَدْخُلُ فِي الصَّاعِ" مراد لے لیا، تو حدیث میں نفس صاع کا اعتبار ختم ہو گیا۔

پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفس صاع کو ایک کے بدلے میں دو خریدنا، بیچنا جائز ہے۔

لیکن "مَايَدْخُلُ فِي الصَّاعِ" خریدنا بیچنا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

<u>مثال نمبر۲:</u>

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

لغت عرب میں لمس کے دو معنی ہیں۔

۱) حقیقی یعنی جماع کرنا۔ ۲) مجازی یعنی ہاتھ لگانا/ہاتھ سے چھونا

آیت کریمہ میں احناف کے نزدیک لمس کا حقیقی معنی مراد ہے۔ جب حقیقی معنی مراد لے لیا تو مجازی معنی کا مراد لینا یا اس کو معتبر سمجھنا ساقط ہو جائے گا۔

<u>مثال نمبر۳:</u>

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کسی نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے دو قسم کے موالی ہوں۔

۱) وہ موالی جنہوں نے اس وصیت کرنے والے کو آزاد کیا ہے۔

۲) وہ موالی جنہوں نے موصی کے آزاد کرنے والوں کو آزاد کیا ہے۔

پس موصی کی وصیت اپنے موالی کے لیے ہوگی اپنے موالی کے موالی کے لیے نہیں ہوگی۔

<u>نوٹ:</u>

موالی سے مراد آقا ہیں آقا، اس کی واحد مَولیٰ آتی ہے۔

اس حدیث میں نفس صاع مراد نہیں ہے بلکہ وہ چیز مراد

د "مَا يَدْخُلُ فِي الصَّاعِ" مراد لے لیا، تو حدیث

ع کو ایک کے بدلے میں دو خریدنا، بیچنا جائز ہے۔

بیچنا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

ہیں۔

۲) مجازی یعنی ہاتھ لگانا/ہاتھ سے چھونا

زدیک لمس کا حقیقی معنی مراد ہے۔ جب حقیقی معنی مراد

جھنا ساقط ہو جائے گا۔

لیے وصیت کی اور اس کے دو قسم کے موالی ہوں۔

نے والے کو آزاد کیا ہے۔

کرنے والوں کو آزاد کیا ہے۔

کے لیے ہوگی اپنے موالی کے موالی کے لیے نہیں ہوگی۔

س کی واحد مَولیٰ آتی ہے۔

مثال نمبر۴:

امام محمد رحمہ اللہ نے "السیر الکبیر" میں فرمایا ہے:

اگر اہل حرب میں سے کسی نے آباء کے لیے امان (پناہ) مانگی ، تو اس امان میں اجداد شامل نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ آباء کا اطلاق حقیقی والد پر ہوتا ہے جب کہ دادا پر اس کا اطلاق مجازاً ہے۔ پس جب حقیقت مراد لے لی تو مجاز ختم ہو گیا۔

اس طرح کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر اہل حرب نے امہات کے لیے پناہ مانگی تو جدات اس پناہ میں شامل نہیں ہوں گے۔ ﴿فَافْهَمْ﴾

مثال نمبر۵:

اگر کسی نے کسی قبیلے کی باکرہ لڑکیوں کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں وہ لڑکی شامل نہیں ہوگی جس کا پردہ بکارت زنا سے پھٹ گیا ہو۔

مثال نمبر۶:

اگر کسی نے کسی شخص کے بیٹوں کے لیے وصیت کی اور اس شخص کے اپنے بھی بیٹے ہوں اور بیٹوں کے بھی بیٹے ہوں تو یہ وصیت اس کے اپنے بیٹوں کے لیے ہوگی پوتے اس میں شامل نہیں ہوں گے۔

مثال نمبر۷:

احناف فرماتے ہیں:

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ "لَا يَنْكِحُ فُلَانَةً" کہ وہ فلاں لڑکی سے نکاح نہیں کرے گا اور وہ لڑکی اجنبیہ ہو تو نکاح مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا یعنی شادی کرنا/عقد کرنا۔ حقیقی معنی کا اعتبار ختم ہو جائے گا یعنی جماع کرنا۔

پس اگر وہ شخص اس لڑکی سے بدکاری کرتا ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

احناف کے بیان کردہ اصول پر اعتراض:

احناف کے بیان کردہ اصول پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ نے خود مسائل میں

حقیقت اور مجاز کو اکٹھا کیا ہے۔مثلاً: یہ مسائل۔۔۔۔

<u>پہلا اعتراض:</u>

کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا وہ حانث ہوجائے گا۔ چاہے برہنہ قدم رکھے یا جوتے پہن کر قدم رکھے یا سواری پر سوار ہو کر قدم رکھے۔

اس مسئلے میں ننگے پاؤں قدم رکھنا حقیقت ہے اور باقی صورتیں مجاز کی ہیں اور آپ کہتے ہیں تمام صورتوں میں قسم ٹوٹ جائے گی تو اس کا مطلب ہوا کہ آپ نے حقیقت اور مجاز کو اکٹھا کر دیا ہے۔

<u>دوسرا اعتراض:</u>

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے گھر میں نہیں رہے گا پھر وہ شخص اس کے گھر میں جا کر رہا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔چاہے وہ گھر فلاں کی ملکیت میں ہو یا کرائے پر ہو یا عاریت پر ہو۔

اس مسئلے میں بھی فلاں کے گھر میں رہنے سے مراد وہ گھر ہے جو اس کی ملکیت میں ہے۔جس میں وہ کرائے پر رہتا ہے یا عاریت کے طور پر رہتا ہے فلاں کے مجازی گھر ہیں۔آپ نے کہا جس گھر میں جا کر رہے تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔غور کیجئے! کہ آپ نے حقیقت اور مجاز کو جمع کر دیا۔

<u>تیسرا اعتراض:</u>

اگر کسی نے کہا میرا غلام آزاد ہے "يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٍ" (جس دن فلاں آئے گا)۔اب وہ فلاں دن میں آئے یا رات میں آئے غلام آزاد ہو جائے گا "يَوْمَ" کا اطلاق دن پر حقیقت ہے اور رات پر مجاز ہے۔

<u>جوابات:</u>

مذکورہ تمام مثالوں میں ہم نے مجاز متعارف مراد لیا ہے۔مجاز متعارف کا مطلب ہے وہ مجاز جو عرف عام میں مراد لیا جاتا ہے۔

ں۔۔۔۔

ں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا وہ حانث ہوجائے گا۔
دم رکھے یا سواری پرسوار ہوکر قدم رکھے۔
رکھنا حقیقت ہے اور باقی صورتیں مجاز کی ہیں اور آپ
ی تو اس کا مطلب ہوا کہ آپ نے حقیقت اور مجاز کو اکٹھا

کے گھر میں نہیں رہے گا پھر وہ شخص اس کے گھر میں جا کر
ر فلاں کی ملکیت میں ہو یا کرائے پر ہو یا عاریت پر ہو۔
ر میں رہنے سے مراد وہ گھر ہے جو اس کی ملکیت میں
یت کے طور پر رہتا ہے فلاں کے مجازی گھر ہیں۔آپ
وٹ جائے گی۔غور کیجئے! کہ آپ نے حقیقت اور مجاز کو

ہے "یَوْمَ یَقْدَمُ فُلَانٍ" (جس دن فلاں آئے گا)۔اب
م آزاد ہوجائے گا "یَوْمَ" کا اطلاق دن پر حقیقت ہے

مجاز متعارف مرادلیا ہے۔مجاز متعارف کا مطلب ہے وہ

پہلے اعتراض کا جواب:

پہلے مسئلے میں قدم رکھنے سے مراد داخل ہونا ہے۔اب وہ کسی بھی صورت میں داخل ہو حانث ہوجائے گا۔پس ہم نے قدم رکھنے سے مراد داخل ہونا مجاز متعارف کے طور پر مرادلیا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:

اسی طرح دوسرے مسئلے میں "دَارُ فُلَانٍ" سے مراد مجاز متعارف کے طور پر اس کا رہائشی گھر ہے۔چاہے وہ ملکیت میں ہو یا کرائے پر یا عاریت پر ہو۔

تیسرے اعتراض کا جواب:

اس مسئلے میں لفظ "یَوْمَ" سے مراد مافی الوقت ہے۔مجاز متعارف کے طور پر۔

پس اے معترض! جان لو کہ مذکورہ بالا مثالوں میں قسم اٹھانے والا حانث ہورہا ہے مجاز متعارف کے طور پر نہ کہ حقیقت اور مجاز کے اجتماع کی وجہ سے۔

حقیقت کی اقسام

حقیقت کی تین قسمیں ہیں۔

۱) حقیقت متعذرہ (جس پر عمل کرنا دشوار ہو)

۲) حقیقت مہجورہ (جس پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو)

۳) حقیقت مستعملہ (جس پر عمل ہوتا ہے)

نوٹ:

پہلی دو قسموں میں بالاتفاق مجاز کی طرف جائیں گے۔

متعذرہ کی مثالیں:

مثال نمبرا:

جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ اس درخت کو یا اس ہانڈی کو نہیں کھائے گا۔کیوں کہ درخت اور ہانڈی کو کھانا متعذر ہے۔اس لیے اس سے مراد درخت کا پھل یا ہانڈی میں پکی ہوئی چیز

ہوگی۔ پس اگر کوئی دشواری اٹھا کر درخت یا ہانڈی کو کھالیتا ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

مثال نمبر۲:

کسی نے قسم اٹھائی کہ اس کنویں کو نہیں پیئے گا یہ حقیقت ہے اور دشوار ہے۔ مجاز کی طرف جائیں گے، مراد ہوگا کنویں سے بھر کے نہیں پیئے گا۔ پس اگر کسی نے دشواری اٹھا کر اپنے منہ سے کنویں کو پیا ، تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

مہجورہ کی مثالیں:

مثال نمبر۱:

کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنا قدم فلاں کے گھر میں نہیں رکھے گا۔ "وَضَعُ الْقَدَمِ" کا حقیقی معنی ہے برہنہ پاؤں رکھنا یہ معنی چھوڑ دیا گیا ہے اب "وَضَعُ الْقَدَمِ" سے مراد ہے گھر میں داخل ہونا۔ یہ مجاز ہے۔

مثال نمبر۲:

اگر کسی نے نفس خصومت (یعنی اس بات کا وکیل کہ محض جھگڑا کرے اور دوسرے وکیل کی ہر بات کا جواب "لا" میں دے) کا وکیل کیا تو اس وکیل کو خصم کے جواب دینے کا مطلق اختیار ہوگا۔ چاہے تو ہاں میں جواب دے ، چاہے تو نہ میں جواب دے۔

کیوں کہ محض خصومت کا وکیل بنانے کی حقیقت شرعاً اور عادتاً چھوٹ چکی ہے۔

نوٹ:

خصم کہتے ہیں مدمقابل کے وکیل کو یا خود مدمقابل ہو۔

عادتاً کا مطلب ہے لوگوں نے یہ کام کرنا چھوڑ دیا ہے یعنی اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

★★★

ہانڈی کو کھالیتا ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

یں کو نہیں پیئے گا یہ حقیقت ہے اور دشوار ہے۔مجاز کی
رکے نہیں پیئے گا۔پس اگر کسی نے دشواری اٹھا کر اپنے
۔

م فلاں کے گھر میں نہیں رکھے گا۔ "وَضَعُ الْقَدَمِ" کا
دیا گیا ہے اب "وَضَعُ الْقَدَمِ" سے مراد ہے گھر میں

ں اس بات کا وکیل کہ محض جھگڑا کرے اور دوسرے وکیل
کا وکیل کیا تو اس وکیل کو خصم کے جواب دینے کا مطلق
، چاہے تو نہ میں جواب دے۔
بنانے کی حقیقت شرعاً اور عادتاً چھوٹ چکی ہے۔

بل کو یا خود مدمقابل ہو۔
یہ کام کرنا چھوڑ دیا ہے یعنی اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

★★★

عموم مجاز/ مجاز متعارف

نوٹ:

یہ دونوں ایک ہی ہیں ، ان کا مطلب یہ ہے کہ:

کلام کے وہ معنی جو لوگوں کے درمیان مشہور ہوں۔ چاہے وہ حقیقی معنی ہوں یا کوئی اور معنی ہوں۔ یہی معتبر سمجھے جاتے ہیں۔

ان کی مزید تفصیل درج ذیل ہے:

ا) اگر حقیقت مستعملہ ہو اور اس کا مجاز متعارف نہ ہو تو حقیقت مستعملہ پر ہی عمل کریں گے۔اس پر سب کا اتفاق ہے۔

نوٹ:

یہ حقیقت مستعملہ کا اصول ہے جو آپ کے علم میں آ گیا ہے۔

ب) اگر حقیقت مستعملہ ہو اور اس کا مجاز متعارف بھی ہو تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں میں اختلاف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تب بھی حقیقت پر عمل کریں گے۔اور یہی اولیٰ (بہتر) ہے۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں عموم مجاز پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

اس اختلاف کی مثال سے وضاحت:

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ اس گندم کو نہیں کھائے گا۔

امام صاحب کے نزدیک حقیقت مستعملہ ہے۔لہٰذا حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔پس ان کے نزدیک گندم کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور گندم کی بنی ہوئی روٹی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک عموم مجاز پر عمل کریں گے۔پس ان کے نزدیک گندم کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی اور گندم سے بنی ہوئی روٹی کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔

اسی طرح یہ مسئلہ سمجھئے

کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ دریائے فرات سے نہیں پیئے گا۔

اس مسئلے میں امام صاحب کے نزدیک دریائے فرات سے منہ لگا کر پینے کی صورت میں قسم ٹوٹ جائے گی کیوں کہ یہ حقیقت مستعملہ ہے۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک کسی طرح بھی پیئے قسم ٹوٹ جائے گی۔

مجاز حقیقت کا نائب ہوتا ہے

اس بات پر اتفاق ہے کہ مجاز حقیقت کا نائب ہوتا ہے۔ لیکن اختلاف ہے اس بارے میں کہ یہ نیابت کس اعتبار سے ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ کے اعتبار سے مجاز ، حقیقت کا نائب ہوتا ہے۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم کے اعتبار سے مجاز ، حقیقت کا نائب ہوتا ہے۔

اصول:

صاحبین کے نزدیک مجاز کی طرف اس وقت جاتے ہیں جب حقیقت فی نفسہ ممکن ہو۔ مگر کسی مانع کی وجہ سے اس پر عمل کرنا ناممکن ہو۔ کیوں کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں کلام لغو ہو جائے گا۔

جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مجاز کی طرف جائیں گے۔ چاہے حقیقت فی نفسہ ناممکن ہو۔

مثال سے وضاحت:

جب کسی نے اپنے سے بڑی عمر کے اپنے غلام کو کہا ھٰذَا ابْنِی (یہ میرا بیٹا ہے) کیون کہ اس جملے کی حقیقت ناممکن ہے اس لیے صاحبین کے نزدیک یہ کلام لغو ہوگا۔

امام صاحب کے نزدیک اس جملے سے مجاز مراد ہوگا وہ یہ کہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

اس مسئلے پر مندرجہ ذیل چند مسائل کو قیاس کرلیں۔

نمبر ۱:

کسی نے کہا: "لَهٗ عَلَیَّ اَلْفٌ اَوْ عَلٰی هٰذَا الْجِدَارِ "

(ہزار لازم ہیں مجھ پر یا اس دیوار پر)

نمبر۲:

کسی نے کہا: "عَبْدِیْ اَوْ حِمَارِیْ حُرٌّ"

(میرا غلام یا میرا گدھا آزاد ہے)

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "ھٰذَا اِبْنِیْ" (یہ میری بیٹی ہے) اور اس کا نسب شوہر کے علاوہ کسی اور سے معروف ہو۔(یعنی سب جانتے ہوں کہ وہ کسی اور کی بیٹی ہے)۔اس جملے سے امام صاحب کیا مجاز لیں گے؟

جواب: اچھی طرح سمجھ لیجئے ، نہ تو یہ جملہ کہنے سے عورت اس پر حرام ہوگی نہ ہی یہ جملہ طلاق سے مجاز بنے گا ، چاہے عورت بڑی ہو یا چھوٹی ، کیوں کہ اگر اس جملے کے معنی درست مان لیے جائیں تو یہ جملہ نکاح کے ہی منافی ہے تو نکاح کے حکم طلاق کے بھی منافی ہے۔

(یعنی اس جملے سے جب نکاح نہیں ہوسکتا تو طلاق کہاں اور کیسے پڑے گی)

اس جملے سے بطور استعارہ کے بھی طلاق مراد نہیں ہوسکتی کیوں کہ بیٹی ہونا اور طلاق پڑنا یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اعتراض:

آپ نے فرمایا کہ! بیٹی ہونے میں اور طلاق پڑنے میں تضاد ہے۔

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ جب کسی اپنے سے بڑی عمر کے اپنے غلام سے کہا ھٰذَا اِبْنِیْ اور آپ نے اس سے مجاز اُعتق (آزاد ہونا) مراد لیا۔

تو آپ سے پوچھنا ہے کہ بیٹا ہونا اور آزاد ہونا ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔

جیسے: بیٹی ہونا اور طلاق پڑنا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

جب "میری بیٹی" کہنے سے عورت کو طلاق نہیں ہوسکتی تو میرا بیٹا کہنے سے آزادی نہیں ہونی چاہیے۔

جواب:

یاد رکھئے! بیٹا ہونا منافی نہیں ہے۔اس بات سے کہ باپ کو ثبوت ملکیت حاصل

ہو۔ ممکن ہے کہ بیٹا بھی ہو اور باپ اس کا مالک بھی ہو۔

نوٹ:

اگر کوئی شخص حقیقی طور پر کسی طریقے سے اپنے بیٹے کا مالک ہو جائے تو بیٹا اس پر فوراً آزاد ہو جائے گا۔

★★★

لک بھی ہو۔

ریقے سے اپنے بیٹے کا مالک ہوجائے تو بیٹا اس پر فوراً

☆☆☆

استعارہ کی اقسام کی پہچان کے بارے میں فصل

نوٹ:

اصول فقہ والوں کے نزدیک استعارہ اور مجاز ایک ہی چیز ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ جبکہ اہل بیان کے نزدیک استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے۔

اقسام استعارہ:

احکام شرع میں استعارہ دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔

ا) علت اور حکم کے درمیان اتصال پایا جائے۔

اس قسم میں استعارہ دونوں طرف سے ٹھیک ہے یعنی علت بول کر حکم مراد لینا اور حکم بول کر علت مراد لینا۔

مثال:

کسی نے کہا اگر میں غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے۔ پھر وہ شخص آدھے غلام کا مالک ہوا ، اسے بیچ دیا۔ پھر دوسرے آدھے کا مالک ہوا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیوں کہ مکمل غلام اس کی ملکیت میں جمع نہیں ہوا۔

اگر کسی نے کہا: اگر میں نے غلام خریدا تو وہ آزاد ہے۔ پس اس نے آدھا غلام خریدا اسے بیچ ڈالا۔ پھر دوسرا نصف خریدا تو دوسرا نصف آزاد ہوجائے گا۔

اب سنئے! اگر کوئی شخص ملک بول کر شراء مراد لے یا شراء بول کر ملک مراد لے۔ تو مجازاً (استعارةً) دونوں طرح درست ہے۔

کیوں کہ شراء ملکیت کی علت ہے اور ملکیت شراء کا حکم ہے۔

اور ہم نے جیسا کہ اصول میں لکھوایا کہ علت اور حکم میں استعارہ دونوں طرف سے درست ہے۔

نوٹ:

عدالتی معاملات میں یہ اصول اپنانے کی صورت میں ملزم کو تخفیف حاصل ہوتی ہو تو یہ

اصول قابل قبول نہیں ہوگا۔اس لیے کہ عدالت پر تہمت نہ لگے۔

اس لیےنہیں استعارہ درست نہیں ہوگا۔

۲)اتصال پایا جائے سبب محض اور حکم کے درمیان۔

اس قسم میں استعارہ ایک جانب سے درست ہوگا یعنی سبب بول کر حکم مراد لینا درست ہوگا لیکن حکم بول کرسبب مراد لینا درست نہیں ہوگا۔

مثال:

جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ "حَرَرْتُكِ" (میں نے تجھے آزاد کیا)اوراس جملے سےنیت طلاق دینے کی کی تو درست ہوگا ، درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تحریر(آزاد کرنا) حقیقت میں زوال ملک رقبہ کے واسطہ سے مالک بضع کے زوال، زوال کو واجب کرتا ہے۔یعنی "حَرَرْتُكِ" کہنے سے پہلے ملک رقبہ ختم ہوگی پھر ملک بضع ختم ہوگی۔

پس "حَرَرْتُكِ" ملک متعہ کوزائل کرنے کا سبب محض ہوا۔پس اس کوطلاق سے استعارہ لینا درست ہے۔کیوں کہ طلاق بھی ملک متعہ کوزائل کرتی ہے۔

اصول:

ہر وہ جگہ جہاں مجاز کی نوع (قسم) متعین ہوگی وہاں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی یعنی بغیر نیت کے وہ قسم اس مقام پر مراد ہوگی۔

اعتراض:(الف)

صاحبین کے نزدیک مجاز کی طرف جانا اس وقت درست ہوتا ہے جب حقیقت ممکن ہو۔

آپ نے جولکھوایا لفظ ہبہ کے زریعے آزاد عورت کا نکاح ہوجائے گا یہ تو مجاز ہوا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے زریعے آزاد عورت ملکیت میں آجائے۔آزاد عورت کا ملکیت میں آنا لفظ ہبہ کے زریعے ناممکن ہے۔

اب اصل اعتراض یہ ہوا کہ جب حقیقت ناممکن ہے تو صاحبین کے نزدیک مجاز یعنی نکاح کس طرح درست ہوگا۔

یعنی سبب بول کرحکم مراد لینادرست ہے لیکن حکم بول کرسبب مراد لینا درست نہیں ۔کیوں کہ اس مثال میں حکم بول کرسبب مرادلیا جارہا ہے اس لیے یہ درست نہیں ہے۔

اس اصول پر ایک شرعی مسئلہ

لفظ ہبہ ، لفظ تملیک اور لفظ بیع کے ذریعے نکاح کی نیت کی جائے تو یہ نیت درست ہوگی اور ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔(درست ہوجائے گا)

لفظ ہبہ کو ہی لے لیں یہ لفظ اولاً ملک رقبہ کو واجب کرتا ہے اور ملک رقبہ ملک متعہ کو واجب کرتی ہے۔باندیوں میں پس لفظ ہبہ ثبوت ملک متعہ کے لیے سبب محض ہوا۔پس اس کو نکاح سے استعارہ کرنا درست ہوگا۔کیوں کہ نکاح سے بھی ملک متعہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

لفظ بیع اور لفظ تملیک کو بھی لفظ ہبہ کی طرح اچھی طرح سمجھ لیجئے ،لیکن یادرکھئے گا اس کا الٹ نہیں ہوگا یعنی لفظ نکاح بول کر ہبہ بیع اور تملیک مراد نہیں ہوگی۔

اعتراض:

جب آپ نے ”حَرَّرْتُكِ“ کہہ کراستعارۃً طلاق مراد لی تو اس سے طلاق رجعی پڑنی چاہیے۔جیسا کہ طلاق کے صحیح الفاظ سے طلاق رجعی پڑتی ہے۔

جواب:

آپ ہمارا مفہوم سمجھے نہیں ”حَرَّرْتُكِ“ کہہ کر استعارۃً طلاق مراد نہیں لی گئی۔

بلکہ ”حَرَّرْتُكِ“ کہہ کر مجازاً زوال ملک متعہ مراد لیا گیا ہے۔

اور یادرکھئے گا ملک متعہ کا زوال طلاق بائن میں ہوتا ہے طلاق رجعی میں نہیں۔

پس ”حَرَّرْتُكِ“ کہہ کر طلاق کی نیت مراد لینے سے طلاق بائن واقع ہوگی نہ کہ طلاق رجعی۔

نوٹ:

اگر کسی نے اپنی باندی سے کہا ”طَلَّقْتُكِ“ اور اس سے مراد باندی کی آزادی لی تو یہ درست ہوگا کیوں کہ اوپر اصول ہم لکھوا چکے ہیں کہ استعارۃً ایک جانب سے درست ہوتا ہے۔

ت پر تہمت نہ لگے۔

ں ہوگا۔

کے درمیان۔

ب سے درست ہوگا یعنی سبب بول کرحکم مراد لینا درست

ں ہوگا۔

کہ ”حَرَّرْتُكِ“ (میں نے تجھے آزاد کیا) اور اس جملے

ا ، درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تحریر (آزاد کرنا)

ے مالک بضع کے زوال، زوال کو واجب کرتا ہے۔یعنی

ں پھر ملک بضع ختم ہوگی۔

متعہ کو زائل کرنے کا سبب محض ہوا۔پس اس کو طلاق سے

ں ملک متعہ کو زائل کرتی ہے۔

م)متعین ہوگی وہاں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی یعنی بغیر

ب جانا اس وقت درست ہوتا ہے جب حقیقت ممکن ہو۔

زاد عورت کا نکاح ہوجائے گا یہ تو مجاز ہوا۔

ے آزاد عورت ملکیت میں آجائے۔آزاد عورت کا ملکیت

ب حقیقت ناممکن ہے تو صاحبین کے نزدیک مجاز یعنی

جواب:(الف)

یہاں حقیقت ممکن ہے۔پس جب حقیقت ممکن ہوگئی تو مجاز کی طرف جانا درست ہوگیا اور آپ کا اعتراض ختم ہوگیا۔

آزادعورت کا ملکیت میں آنا یوں ممکن ہے کہ وہ مرتد ہوکر دارالحرب میں چلی جائے پھر قیدی ہرکرآئے تو اب ہو باندی ہوگئی۔

پس غور کیجئے! آزادعورت کا باندی ہونااور ملکیت میں آنا ممکن ہوگیا۔

نوٹ:

یہ مسئلہ مندرجہ ذیل مسائل سے مشابہ ہوگیا۔

۱) کسی نے کہا کہ ''میں نے آسمان کو چھواتو تجھے طلاق ہوگی''

۲) کسی نے کہا کہ ''میں ہوامیں اڑاتو تجھے طلاق ہوگی''

۳) کسی نے کہا کہ ''میں پتھر کوسونا بنادیا تو تجھے طلاق ہوگی''

یہ باتیں ظاہر میں ممکن نہیں ہوسکتی ہیں ، کوئی شخص آسمان کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ، ہوا میں نہیں اڑسکتا ، پتھر کوسونا نہیں بناسکتا۔

لیکن حقیقت میں یہ باتیں ممکن ہوسکتی ہیں۔

مثلاً:

کوئی اللہ کا ولی ہو۔ولایت کے زور پر ہوا میں اڑے بطور کرامت کے پتھر کوسونا بنادے اور بطور کرامت آسمان کو بھی چھولے۔

☆☆☆

صریح اور کنایہ کا بیان

صریح کی تعریف:

اَلصَّرِیۡحُ لَفۡظٌ یَکُوۡنُ الۡمُرَادُ بِہٖ ظَاھِراً ، کَقَوۡلِہٖ : بِعۡتُ وَاشۡتَرَیۡتُ

صریح وہ لفظ ہے جس کی مراد لفظوں سے ظاہر ہو۔

جیسے: بِعۡتُ (میں نے بیچا)

اِشۡتَرَیۡتُ (میں نے خریدا)

صریح کا حکم:

اَنَّہٗ یُوۡجِبُ ثُبُوۡتَ مَعۡنَاہُ بِاَیِّ طَرِیۡقٍ کَانَ مِنۡ اَخۡبَارٍ اَوۡ نَعۡتٍ اَوۡ نِدَاءٍ

صریح اپنے معنی کے ثبوت کو واجب کرتا ہے چاہے وہ کسی بھی طریقے سے ہو۔

خبر کی شکل میں ہونا ، نعت کی شکل میں ہونا یا ندا کی شکل میں ہونا۔

اَنَّہٗ یَسۡتَغۡنِیۡ عَنِ النِّیَّۃِ

صریح (اپنے معنی کی وضاحت کے لیے) نیت سے مستغنٰی (بے نیاز) ہوتا ہے۔

حکم کی مثالیں:

مثال نمبر ۱:

کسی نے بیوی سے کہا:

نعت کی مثال: اَنۡتِ طَالِقٌ

خبر کی مثال: طَلَّقۡتُكِ

ندا کی مثال: یَا طَالِقُ

ان تمام صورتوں میں عورت کو طلاق پڑ جائے گی چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

مثال نمبر ۲:

کسی نے اپنے غلام سے کہا:

اَنۡتِ حُرٌّ یا حَرَّرۡتُكِ یا یَاحُرُّ

ب حقیقت ممکن ہوگئی تو مجاز کی طرف جانا درست ہوگیا

یوں ممکن ہے کہ وہ مرتد ہوکر دارالحرب میں چلی جائے

زی ہونا اور ملکیت میں آنا ممکن ہوگیا۔

مشابہ ہوگیا۔

چھوا تو تجھے طلاق ہوگی‘‘

و تجھے طلاق ہوگی‘‘

دیا تو تجھے طلاق ہوگی‘‘

لتی ہیں ، کوئی شخص آسمان کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ، ہوا

ہوسکتی ہیں۔

کے زور پر ہوا میں اڑے بطور کرامت کے پتھر کو سونا

ے۔

★★★

تو غلام آزاد ہوجائے گا چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

مثال نمبر۳:

احناف کے نزدیک تیمّم طہارت کا فائدہ دیتا ہے کیوں کہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰکِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَهِّرَکُمۡ

اور لیکن اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہیں پاک صاف کردے۔

آیت کا یہ ٹکڑا احکام تیمّم کے بعد لایا گیا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم سے بھی ویسے ہی طہارت حاصل ہوتی ہے جیسی طہارت وضو سے حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ صریح ہے اس بات میں کہ تیمّم طہارت ہے۔

امام شافعی کا اختلاف اور نقطۂ نظر:

امام شافعی علیہ الرحمۃ الباری کا تیمّم کو طہارت کہنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعی کے دو قول ہیں۔

۱) تیمّم ، طہارت ضروریہ ہے ، مطلق طہارت نہیں۔

۲) یہ طہارت ، نہیں ہے بلکہ تیمّم ساتر للحدث (ناپاکی کو چھپانے والا) ہے۔

احناف کے مذکورہ بالا اختلاف پر نکلنے والے چند مسائل:

۱) ہمارے نزدیک تیمّم وقت نماز سے پہلے جائز ہے۔جبکہ شوافع کے نزدیک وقت نماز سے پہلے تیمّم جائز نہیں ہے۔

۲) احناف کے نزدیک ایک تیمّم سے دو فرض نمازیں پڑھنا جائز ہے۔شوافع کے نزدیک صرف ایک فرض نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

۳) احناف کے نزدیک تیمّم ، متوضّین کی امامت کرسکتا ہے۔شوافع کے نزدیک نہیں۔

۴) احناف کے نزدیک وضو کے ذریعے جان جانے یا عضو ضائع ہونے کے اندیشے کے بغیر تیمّم جائز ہے۔جبکہ شوافع کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

یت کرے یا نہ کرے۔

ت کا فائدہ دیتا ہے کیوں کہ:

ہیں پاک صاف کردے۔

یا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم سے بھی ویسے ہی
سے حاصل ہوتی ہے۔

کریمہ صریح ہے اس بات میں کہ تیمّم طہارت ہے۔

تیمّم کو طہارت کہنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

لق طہارت نہیں۔
رللحدث (ناپاکی کو چھپانے والا) ہے۔

نکلنے والے چند مسائل:

پہلے جائز ہے۔جبکہ شوافع کے نزدیک وقت نماز سے

وفرض نمازیں پڑھنا جائز ہے۔شوافع کے نزدیک صرف

ن کی امامت کرسکتا ہے۔شوافع کے نزدیک نہیں۔
یع جان جانے یا عضو ضائع ہونے کے اندیشے کے بغیر
ہیں ہے۔

۵) احناف کے نزدیک نماز عید اور نماز جنازہ کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے۔شوافع کے نزدیک نہیں۔

٦) احناف کے نزدیک محض طہارت حاصل کرنے کی غرض سے تیمّم جائز ہے۔شوافع کے نزدیک نہیں۔

کنایۃ کا بیان

کنایۃ کی تعریف:

هِیَ مَااسۡتَتَرَ مَعۡنَاهُ

کنایۃ وہ ہے جس کا معنی مخفی ہو

نوٹ:

مجاز ، متعارف ہونے سے پہلے کنایۃ کے درجے میں ہوتا ہے۔

کنایۃ کا حکم:

ثُبُوۡتُ الۡحُکۡمِ بِهَا عِنۡدَ وُجُوۡدِ النِّیَّةِ اَوۡ بِدَلَالَةِ الۡحَالِ

نیت کے پائے جانے کی وجہ سے یا ماحول کی دلالت کی وجہ سے الفاظ کنایۃ کے معنی کا ثبوت ہوگا۔

سوال: ایسا کیوں؟یعنی بغیر نیت کے یا بغیر ماحول کی دلالت کی وجہ سے حکم کا ثبوت کیوں نہیں ہوگا؟

جواب: اچھی طرح جان لیجئے کہ: کنایۃ کا معنی مخفی ہوتا ہے۔اور اس مخفی معنی میں کئی احتمالات ہوتے ہیں۔

پس ضروری ہے کہ ایک ایسی دلیل پائی جائے جو محض معنی میں پائے جانے والے تردد (شک وشبہ) کو ختم کردے اور کنایۃ کے کسی ایک احتمال کو راجح کردے۔

ایسی دلیل یا تو خود بولنے والے کی نیت ہے یا وہ ماحول ہے جس ماحول میں الفاظ کنایۃ ادا کئے جائیں۔

حکم کنایۃ کی مثال:

لفظ بینونہ اور لفظ تحریم کنایۃ ہیں طلاق کے باب میں۔یعنی کسی نے اپنی گھر والی سے کہا

"اَنۡتِ بَائِنٌ" (تو مجھ سے جدا ہے) یا کہا:" اَنۡتِ حَرَامٌ" (تو مجھ پر حرام ہے) یہ الفاظ کہہ کر طلاق کی نیت کی تو طلاق پڑ جائے گی یا یہ الفاظ اس وقت کہے جب میاں بیوی میں طلاق کی بحث چل رہی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔

طلاق اس لیے نہیں پڑے گی کہ یہ الفاظ طلاق کی بحث چل رہی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔

طلاق اس لیے پڑے گی کہ یہ الفاظ کنایۃ ہیں دونوں الفاظ کے معنی میں کئی احتمالات ہیں۔

پس جب طلاق کی نیت کر لی یا ماحول پایا گیا تو ان الفاظ سے طلاق ہی پڑے گی ۔باقی احتمالات ختم ہو جائیں گے۔

<u>نوٹ:</u>

مذکورہ بالا مسئلہ سے الفاظ کنایۃ سے پڑنے والی طلاق کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔

الفاظ کنایۃ سے طلاق بائنہ پڑتی ہے۔شوہر کو طلاق دینے کے بعد رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔

اہم ترین مسئلہ: چونکہ الفاظ کنایۃ کے معنی میں تردد پایا جاتا ہے۔اس پر بنیاد رکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ الفاظ کنایۃ کے ذریعے سزائیں نہیں دی جائیں گی۔

اگر کسی مجرم نے الفاظ کنایۃ کے ذریعے زنا کا یا چوری کا اقرار کیا تو اس پر زنا یا چوری کی حد نہیں لگے گی۔جب تک مجرم الفاظ صریح ذکر نہ کر لے۔یعنی جب تک صریح الفاظ کے ساتھ اقرار نہ کر لے سزا قائم نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ:

اگر گونگا اشارے کے ساتھ حرم کو قبول کر لے تو اس پر حد نہیں لگے گی۔کیوں کہ اشارہ کنایۃ ہے۔

ایک شخص نے دوسرے شخص پر زنا کی تہمت لگائی جس پر تہمت لگی اس نے تہمت لگانے والے سے کہا:"صَدَقۡتَ"(تو نے سچ کہا) تو تہمت زدہ شخص کو سزا نہیں دی جائے گی۔ممکن ہے کہ وہ تصدیق تہمت کے علاوہ کسی اور معاملے کی کر رہا ہو۔

★★★

متقابلات کا بیان

سوال: متقابلات سے کیا مراد ہے؟

جواب: متقابلات سے مراد یہ ہیں:

۱) ظاہر ۲) نص ۳) مفسَّر ۴) محکم

ساتھ ساتھ ان کی چار ضدیں جو یہ ہیں:

۵) خفی ۶) مشکل ۷) مجمل ۸) متشابہہ

ظاہر کی تعریف:

اِسمٌ لِکُلِّ کَلَامٍ ظَهَرَالْمُرَادُ بِهٖ لِلسَّامِعِ بِنَفْسِ السِّمَاعِ مِنْ غَيْرِ تَأَمُّلٍ

ہر وہ کلام جس کی مراد واضح ہو سامع کے لیے محض سننے سے بغیر غور و فکر کئے۔

نص کی تعریف:

مَاسِيْقَ الْكَلَامُ لِاَجلِهٖ

جس کے لیے کلام کو لایا گیا ہو۔

ظاہر اور نص کا مشترکہ حکم:

مثال نمبر ۱:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمادیا اور سود کو حرام کردیا۔

اس آیت کو چلایا گیا ہے بیع اور ربا کے درمیان فرق کو ظاہر کرنے کے لیے۔کفار کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے جو انہوں نے کہا کہ بیع اور ربا کے درمیان برابری ہے۔

بایں طور کہ انہوں نے کہا:

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا

بے شک بیع ربا کی طرح ہے۔

کہا:" اَنتِ حَرَامٌ" (تو مجھ پر حرام ہے) یہ الفاظ کہہ کر
الفاظ اس وقت کہے جب میاں بیوی میں طلاق کی بحث

ر یہ الفاظ طلاق کی بحث چل رہی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔
یۃ ہیں دونوں الفاظ کے معنی میں کئی احتمالات ہیں۔
یا ماحول پایا گیا تو ان الفاظ سے طلاق ہی پڑے گی

سے پڑنے والی طلاق کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔
شوہر کو طلاق دینے کے بعد رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔
کنایۃ کے معنی میں تردد پایا جاتا ہے۔اس پر بنیاد رکھتے
ے سزائیں نہیں دی جائیں گی۔
کے ذریعے زنا کا یا چوری کا اقرار کیا تو اس پر زنا یا
فاظ صریح ذکر نہ کرلے۔یعنی جب تک صریح الفاظ کے

م کو قبول کرلے تو اس پر حد نہیں لگے گی۔کیوں کہ اشارہ

زنا کی تہمت لگائی جس پر تہمت لگی اس نے تہمت لگانے
تو تہمت زدہ شخص کو سزا نہیں دی جائے گی۔ممکن ہے کہ
ں کر رہا ہو۔

★★★

اور محض اس ایت کو سننے ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے۔

پس یہ آیت کریمہ فرق ظاہر کرنے کے بارے میں نص ہے۔ بیع کی حلت وحرمت کے بارے میں ظاہر ہے۔

مثال نمبر۲:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَانۡکِحُوۡا مَاطَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنیٰ وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ

پس تم نکاح کرو اپنی پسندیدہ خواتین میں سے دو سے تین سے اور چار سے۔

یہ آیت کریمہ تعداد کو بیان کرنے کے لیے چلائی گئی ہے اور محض سننے سے ہی نکاح کا جواز بھی معلوم ہو رہا ہے۔

پس اس بارے میں ظاہر ہے اور بیان عدد میں نص ہے۔

مثال نمبر۳:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَالَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ فَرِیۡضَةً

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم ان عورتوں کو طلاق دے دو جن سے تم نے جماع نہیں کیا یا تم ان عورتوں کو طلاق دے دو جن کا تم نے مہر مقرر نہیں کیا۔

یہ آیت کریمہ نص ہے اس شخص کے حکم کے بارے میں جس نے اپنی گھر والی کا مہر متعین نہ کیا ہو۔

اور ظاہر ہے اس بارے میں کہ طلاق کا مالک شوہر ہے۔

اور اشارہ ہے اس بارے میں کہ نکاح مہر کا ذکر کئے بغیر درست ہوگا۔

مثال نمبر۴:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنۡ مَّلَكَ ذَا رِحۡمٍ مَحۡرَمٍ مِنۡهُ عُتِقَ عَلَیۡهِ

جو شخص مالک ہوا قریبی محرم رشتہ دار کا تو اس پر آزاد ہو جائے گا۔

ورہاہے کہ بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے۔
نے کے بارے میں نص ہے۔ بیع کی حلت وحرمت کے

لنِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ
اتین میں سے دو سے تین سے اور چار سے۔
لیے چلائی گئی ہے اور محض سننے سے ہی نکاح کا جواز بھی

ربیان عدد میں نص ہے۔

نِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً
عورتوں کو طلاق دے دو جن سے تم نے جماع نہیں کیا یا
ر مقرر نہیں کیا۔
حکم کے بارے میں جس نے اپنی گھر والی کا مہر متعین نہ کیا ہو۔
طلاق کا مالک شوہر ہے۔
ہ نکاح مہر کا ذکر کئے بغیر درست ہوگا۔

یا:
ہٗ عُتِقَ عَلَيْهِ
ندار کا تو اس پر آزاد ہو جائے گا۔

یہ حدیث پاک نص ہے اس بارے میں کہ قریبی رشتہ دار آزادی کا مستحق ہے۔ اور ظاہر ہے اس بارے میں کہ خریدنے والے کو ملکیت حاصل ہوگی۔

ظاہر اور نص کا حکم:

وَحُكْمُ الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وُجُوْبُ الْعَمَلِ بِهِمَا ، عَامَّيْنِ كَانَا اَوْ خَاصَّيْنِ مَعَ اِحْتِمَالِ اِرَادَةِ الغَيْرِ ، وَذٰلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْمَجَازِ مَعَ الْحَقِيْقَةِ

ظاہر اور نص کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے یہ دونوں عام ہوں یا خاص ارادہ غیر کے احتمال کے ساتھ اور یہ دونوں ارادہ غیر کے احتمال میں وہ درجہ رکھتے ہیں جو درجہ حقیقت کے ساتھ مجاز رکھتا ہے۔

نوٹ:

ارادہ غیر کا احتمال اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر اور نص تاویل اور تخصیص کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔

مجاز کا درجہ حقیقت کے ساتھ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حقیقت مجاز کا احتمال رکھتی ہے۔ اسی طرح ہر ظاہر اور نص تاویل اور تخصیص کا احتمال رکھتے ہیں۔

فائدہ:

یہ نقطۂ نظر بعض اصولیین کا ہے۔
جمہور اصولیین کے نزدیک ظاہر اور نص تاویل اور تخصیص کا احتمال نہیں رکھتے۔

تنبیہ:

سوال: ظاہر اور نص میں فرق کیا ہے؟ ہے یا نہیں ہے، اگر ہے تو پتہ کیسے چلے گا؟
جواب: ظاہر اور نص کے درمیان فرق ہے۔ نص کا رتبہ ظاہر سے بڑھا ہوا ہے۔
اور اس کا پتہ تعارض کے وقت چلتا ہے کہ جب ظاہر اور نص کے معانی ایک دوسرے

کے مخالف ہوں تو اس وقت نص کو ترجیح دی جاتی ہے۔نص پر عمل کیا جاتا ہے اور ظاہر کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

نص کی ظاہر پر ترجیح کی مثالیں:۔

مثال نمبر۱:

مرد نے بیوی سے کہا:

طَلِّقِی نَفُسَكِ (اپنے آپ کو طلاق دے)

بیوی نے جواباً کہا:

اَبَنتُ نَفُسِیُ (میں نے اپنے نفس کو بائنہ کر دیا)

شوہر کا کلام نص ہے، بیوی کا کلام ظاہر ہے۔

نص کو ظاہر پر ترجیح ہوگی۔

پس عورت پر طلاق رجعی پڑے گی نہ کہ بائنہ۔

مثال نمبر۲:

حضور ﷺ نے عرینہ کے لوگوں سے فرمایا:

اِشُرَبُوُا مِنُ اَبُوَالِهَا وَالُبَانِهَا

تم صدقے کے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔

یہ حدیث پاک سبب شفاء کے بیان میں نص ہے۔

اور پیشاب پینے کے جواز میں ظاہر ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے۔

اِسُتَنُزِهُوُا مِنَ الُبَوُلِ ، فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابَ الُقَبرِ مِنُهُ

پیشاب سے بچو! بے شک عذاب قبر کا عمومی (اکثری) سبب یہی ہے۔

یہ حدیث پاک پیشاب سے بچنے کے وجوب کے بارے میں نص ہے۔

جاتی ہے۔نص پر عمل کیا جاتا ہے اور ظاہر کو چھوڑ دیا جاتا

اہر پر ترجیح کی مثالیں:۔

طلاق دے)

فس کو بائنہ کر دیا)

ہے۔

بائنہ۔

وں سے فرمایا:

اور پیشاب پیو۔

ں نص ہے۔

ے۔

ں ہے۔

عَامَّةَ عَذَابَ الْقَبْرِ مِنْهُ

ب قبر کا عمومی (اکثری) سبب یہی ہے۔

جوب کے بارے میں نص ہے۔

اصول کے مطابق نص کو ظاہر پر ترجیح ہوگی۔

پس دوسری والی حدیث پہلی والی حدیث پر راجح ہوگی۔

پیشاب سے بچنا واجب ہوگا۔اس کا پینا جائز نہیں ہوگا۔

مثال نمبر۳:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَاسَقَتْهُ السَّمَاءُ فَفِيهِ الْعُشُرُ

جس زمین کو آسمان سیراب کرے اس میں عشر ہے۔

یہ حدیث پاک عشر کی وضاحت میں نص کا درجہ رکھتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ایک اور حدیث ہے۔

لَيْسَ فِى الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَةٌ

سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

اس حدیث پاک میں صدقہ کا لفظ ہے۔

یہ کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے۔لیکن بطور تاویل ان معانی میں سے ایک معنی کو یعنی عشر کو ترجیح دی گئی۔اور صدقہ سے مراد عشر لیا گیا ہے اس حیثیت سے یہ حدیث مؤول ہوگی۔

نص کو جس طرح ظاہر پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔اسی طرح مؤول پر بھی فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

پس پہلی والی حدیث پر عمل کیا جائے گا۔دوسری والی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

جس طرح اور چیزوں میں عشر ہوتا ہے اسی طرح سبزیوں میں بھی عشر ہوگا۔

★★★

مفسر کا بیان:

مفسر کی تعریف:

فَهُوَ مَا ظَهَرَ الْمُرَادُ بِهٖ مِنَ اللَّفْظِ بِبَيَانٍ مِنْ قِبَلِ الْمُتَكَلِّمِ بِحَيْثُ لَا يَبْقٰى مَعَهٗ اِحْتِمَالُ التَّاوِيْلِ وَالتَّخْصِيْصِ

مفسر وہ لفظ ہے جس کی وضاحت متکلم کے بیان سے ہوجائے بایں طور کہ اس میں تاویل اور تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔

مثال نمبر۱:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ

تمام فرشتوں نے ایک ساتھ سجدہ کیا۔

اس آیت میں لفظ "مَلَائِكَةُ" عموم کے واسطے ظاہر ہے۔ مگر تخصیص کا احتمال باقی تھا۔ "كُلُّهُمْ" کہہ کر اس تخصیص کے احتمال کو ختم کر دیا گیا۔

پھر اس میں یہ احتمال تھا کہ سب نے ایک ساتھ کیا یا الگ الگ کیا تو "اَجْمَعُوْنَ" کہہ کر تاویل کے اس احتمال کو بھی ختم کر دیا گیا۔

مثال نمبر۲:

جب کسی نے کہا:

تَزَوَّجْتُ فُلَانَةً شَهْرًا بِكَذَا

میں نے فلاں عورت سے ایک مہینے کے لیے نکاح کیا، اتنے پیسوں کے عوض۔

"تَزَوَّجْتُ" کا لفظ نکاح کے بارے میں ظاہر ہے مگر اس میں متعہ کا احتمال باقی ہے۔ جب اس نے خود "شَهْرًا" کہہ دیا تو متعہ متعین ہوگیا۔

پس یہ متعہ ہے نکاح نہیں ہے۔

مثال نمبر۳:

کسی نے کہا:

لِفُلَانٍ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ هٰذَا الْعَبْدُ ، اَوْ مِنْ ثَمَنِ هٰذَا الْمَتَاعُ

میں نے فلاں کو ہزار دینے ہیں ، اس غلام کی قیمت کے یا اس سامان کی قیمت کے۔

اس مثال میں "عَلَیَّ اَلْفٌ" ہزار روپے لازم ہوجانے کے بارے میں نص ہے۔مگر تفسیر کا احتمال باقی تھا۔تو" مِنْ ثَمَنِ هٰذَا الْعَبْدُ ، اَوْ مِنْ ثَمَنِ هٰذَا الْمَتَاعُ" کہہ کر اس نے اپنی مراد واضح کردی۔

چونکہ مفسر نص پر راجح ہوتا ہے۔اس لیے ہزار کا اقرار کرنے والے پر دینے اس وقت لازم ہوں گے جب وہ غلام یا سامان پر قبضہ کرلے گا۔

مثال نمبر۴:

کسی نے کہا:

لِفُلَانٍ عَلَیَّ اَلْفٌ

میں نے فلاں کو ہزار دینے ہیں۔

اقرار میں یہ ظاہر ہے اتنا کہنے سے اسی شہر کی کرنسی واجب ہوگی اس بارے میں یہ نص ہے۔

اگر وہ خود آگے یہ الفاظ بڑھادے "مِنْ نَقْدِ بَلَدِ كَذَا" (فلاں شہر کی کرنسی) تو اس صورت میں مفسر کو نص پر ترجیح ہوگی۔اب اسی شہر کی کرنسی دے گا جس کا نام لیا ہے۔

محکم کا بیان

محکم کی تعریف:

فَهُوَ مَا ازْدَادَ قُوَّةً عَلَى الْمُفَسَّرِ ، بِحَيْثُ لَا يَجُوْزُ خِلَافُهُ اَصْلاً

جس کی طاقت مفسر سے بڑھ کر ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی بالکل جائز نہیں ہے۔

مفسر کا بیان:

اللَّفْظِ بِبَيَانٍ مِنْ قِبَلِ الْمُتَكَلِّمِ بِحَيْثُ لَا يَبْقَىٰ مَعَهٗ

ت متکلم کے بیان سے ہوجائے بایں طور کہ اس میں

معُوْنَ

ہ کیا۔

عموم کے واسطے ظاہر ہے۔مگر تخصیص کا احتمال باقی تھا۔

م کردیا گیا۔

ب ساتھ کیا یا الگ الگ کیا تو"اَجمَعُوْنَ" کہہ کر تاویل

مہینے کے لیے نکاح کیا، اتنے پیسوں کے عوض۔

ے میں ظاہر ہے مگر اس میں متعہ کا احتمال باقی ہے۔جب

ہوگیا۔

مثالیں:

١) اَنَّ اللہَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیمٍ

بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

٢) اِنَّ اللہَ لَا یَظْلِمَ النَّاسَ شَیئاً

اللہ تعالیٰ کچھ بھی ظلم نہیں فرماتا لوگوں پر۔

مفسر اور محکم کا حکم:

لُزُومُ الْعَمَلِ بِہِمَا لَا مُحَالَۃَ

ان دونوں پر قطعی طور پر عمل کرنا لازم ہے۔

★★★

مذکورہ بالا چار (ظاہر، نص، مفسر، محکم) کی اضداد:

ان چار کی چار ضدیں ہیں۔

۱) ظاہر کی ضد خفی ہے۔

۲) نص کی ضد مشکل ہے۔

۳) مفسر کی ضد مجمل ہے۔

۴) محکم کی ضد متشابہہ ہے۔

خفی کا بیان:

خفی کی تعریف:

مَا لْخَفِیُّ مَا خَفِیَ الْمُرَادُ بِهٖ بِعَارِضٍ لَا مِنْ حَیْثُ الصِّیْغَةِ

خفی وہ ے جس کی مراد کسی عارض کی وجہ سے مخفی ہو۔ صیغہ کی وجہ سے مخفی نہ ہو۔

نوٹ:

مطلب یہ ہے کہ صیغے کا اپنا لغوی معنی ہوتا ہے وہ ظاہر اور واضح ہوتاہ ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں ہوتا۔

اس صیغے مین خفا کسی دوسرے کلام کی وجہ سے آجاتا ہے۔

خفی کی مثالیں:

مثال نمبر ا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا

چور اور چورنی کے ہاتھ کاٹ دو۔

یہ آیت مبارکہ چور کے حق میں ظاہر ہے لیکن طرار (اُچکا، جیب کترا) اور نَبَّاش (کفن چور) کے حق میں یہ آیت مبارکہ خفی ہے۔

...ننے والا ہے۔

...یًا

...نا لوگوں پر۔

...لازم ہے۔

★★★

نوٹ:

ان دونون میں خفا اس وجہ سے ہے کہ طرار میں سرقہ کا معنی چور سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ چور مال محفوظ کو خفیہ طریقے سے چراتا ہے جبکہ طرار مال محفوظ کو کھلم کھلا لے اڑتا ہے۔

دونوں نے مال محفوظ چرایا ایک نے چھپ کر اور ایک نے کھلم کھلا پس یہ دونوں چوری میں برابر نہ ہوئے۔

پس اس میں چور والے معنی پورے پورے نہیں پائے گئے اس لیے اس کے چور ہونے میں خفا پیدا ہو گیا۔

اور نباش میں سرقہ کا معنی کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں کیوں کہ نباش میت کے کفن کو چوری کرتا ہے اور میت اپنے کفن کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

پس نباش میں بھی چوری کے معنی پورے پورے نہیں پائے گئے اس لیے اس کے چور ہونے کے بارے میں خفا پیدا ہو گیا۔

مثال نمبر۲:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیُ

یہ آیت کریمہ زانی کے حق میں ظاہر ہے۔مگر لوطی کے حق میں خفی ہے۔

مثال نمبر۳:

کسی نے قسم اٹھائی۔

لَا یَأْکُلُوْا فَاکِھَۃً

کہ وہ فاکھہ کو نہیں کھائے گا۔

یہ لفظ ان پھلوں کے بارے میں ظاہر ہے جن کو بطور فاکھہ (لذت، طبع یا تفریح کے طور پر کھایا جاتا ہے) کھایا جاتا ہے۔لیکن امرود اور انار کے حق میں خفی ہے۔کیوں کہ ان میں لذت کے ساتھ

سے ہے کہ طرار میں سرقہ کا معنی چور سے بھی زیادہ پایا
فیہ طریقے سے چراتا ہے جبکہ طرار مال محفوظ کو کھلم کھلا

ں نے چھپ کر اور ایک نے کھلم کھلا پس یہ دونوں چوری

ے پورے نہیں پائے گئے اس لیے اس کے چور ہونے

ے ساتھ پائے جاتے ہیں کیوں کہ نباش میت کے کفن کو
نہیں کرسکتی۔
نی پورے پورے نہیں پائے گئے اس لیے اس کے چور

ے۔ مگر لوطی کے حق میں خفی ہے۔

ہے جن کو بطور فاکھہ (لذت، طبع یا تفریح کے طور پر کھایا
ر کے حق میں خفی ہے۔ کیوں کہ ان میں لذت کے ساتھ

ساتھ غذائیت بھی ہوتی ہے۔

نوٹ:

فاکھہ سے مراد ہو پھل ہیں جو بطور لذت کے کھائے جاتے ہیں اور ان میں غذائیت نہیں ہوتی۔

رہے وہ پھل جو غذا کے طور پر کھائے جائے ہیں یا لذت کے ساتھ ساتھ ان میں غذائیت بھی ہوتی ہے ان کو فاکھہ نہیں کہا جاتا۔

خفی کا حکم:

وُجُوبُ الطَّلَبِ حَتّٰی یَزُوْلَ عَنْهُ الْخِفَاءُ

خفی کا حکم یہ ہے کہ معنی کی تلاش ضروری ہے یہاں تک کہ اس سے خفا ختم ہو جائے۔

★★★

مشکل کا بیان:

تعریف:

فَهُوَ مَا ازْدَادَ خِفَاءً عَلَى الْخَفِيِّ

مشکل وہ ہے جو پوشیدگی میں خفی سے بڑھ کر ہو۔

نوٹ:

مطلب یہ ہے کہ مشکل میں پہلے سامع پر لفظ کی حقیقت مخفی ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنی اشکال وامثال میں داخل ہو کر مزید مخفی ہو جاتا ہے۔

مشکل کا معنی حاصل کرنے کے لیے پہلے طلب سے کام لینا ہوگا پھر تامل کرنا ہوگا۔ اتنا کہ وہ اپنی اشکال وامثال سے ممتاز ومنفرد ہو جائے۔

مثالیں:

مثال نمبر ا:

کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا۔ یہ قسم سرکہ کے بارے میں اور شیرے کے بارے میں ظاہر ہے۔ لیکن بھنے ہوئے گوشت کے بارے میں ، تلے ہوئے انڈے کے بارے میں اور پنیر کے بارے میں مشکل ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے سالن کے معنی معلوم کئے جائیں پھر غور وفکر کیا جائے کہ سالن والے معنی "لَحمٌ ، بَيضٌ ، جَبنٌ" میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔

نوٹ:

لَحمٌ	=	گوشت
بَيضٌ	=	تلا ہوا انڈہ
جَبنٌ	=	پنیر

حکم:

حَتّٰی لَا یَنَالُ الْمُرَادُ اِلَّا بِالطَّلَبِ ثُمَّ بِالتَّاَمُّلِ ، حَتّٰی یَتَمَیَّزُ عَنْ اَمْثَالِہٖ

یہاں تک کہ نہیں حاصل کی جاسکتی اس کی مراد مگر طلب سے پھر تأمل سے یہاں تک کہ وہ اپنی امثال سے ممتاز ہوجائے۔

★★★

مشکل کا بیان:

فِیِّ

ں سے بڑھ کر ہو۔

ے سامع پر لفظ کی حقیقت مخفی ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنی اشکال

۔

ے لیے پہلے طلب سے کام لینا ہوگا پھر تامل کرنا ہوگا۔ اتنا

و جائے۔

ں نہیں کھائے گا۔ یہ قسم سرکہ کے بارے میں اور شیرے

ئے گوشت کے بارے میں ، تلے ہوئے انڈے کے

ہے۔

یقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے سالن کے معنی معلوم کئے

عنی "لَحمٌ ، بَیضٌ ، جُبنٌ" میں پائے جاتے ہیں یا

ت

انڈہ

مجمل کا بیان:

تعریف:

ثُمَّ فَوقَ الْمُشکِلِ اَلْمُجمَلُ ، وَھُوَ مَااحْتَمَلَ وُجُوھاً فَصَارَ بِحَالٍ لَا یُوْقَفُ عَلَی الْمُرَادِ بِہٖ اِلَّا بِبَیَانٍ مِّنْ قِبَلِ الْمُتَکَلِّمِ

مشکل سے اوپر (پوشیدگی میں) مجمل ہے۔

مجمل وہ ہے جو کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے اس طرح ہو جاتا ہے کہ اس کے معنی مرادی پر اطلاع سوائے متکلم کی وضاحت کے اور طریقے سے نہیں ہوسکتی۔

مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

ربا کا مفہوم ہے مطلق زیادتی لیکن آیت کریمہ میں یہ معنی مراد نہیں ہے۔

وہ زیادتی مراد ہے جو قدری ہم جنس اشیاء کی بیع میں عوض سے خالی ہو۔

پس یہ وہ معنی ہیں جنہیں تأمل سے بھی نہیں جانا جاسکتا کیوں کہ اس معنی پر لفظ کی دلالت ہے ہی نہیں۔

متشابہ کا بیان:

تعریف:

ثُمَّ فَوْقَ الْمُجمَلِ فِی الْخِفَاءِ اَلْمُتَشَابِہٖ

متشابہ پوشیدگی میں مجمل سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

مثال:

سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات۔

مجمل اور متشابہ کا حکم:

اِعۡتِقَادُ حَقِیۡقَۃِ الۡمُرَادِ بِہٖ حَتّٰی یَأۡتِیَ الۡبَیَان

مجمل اور متشابہ کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا یہاں تک کہ وضاحت آجائے۔

"قَدۡ تَمَّ بَحۡثُ الۡمُتَقَابِلَاتِ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ"

★★★

فَصل فِی مُتَعَلَّقَاتِ النُّصُوصِ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جونصوص کے متعلقات بنتے ہیں

متعلقات نصوص سے مراد وہ امور جونص کو چمٹے ہوئے ہوتے ہیں۔لازم ہوتے ہیں۔

سوال: متعلقات نصوص کتنے اورکون کون سے ہیں؟

جواب: متعلقات نصوص چار ہیں۔

۱)عبارۃ النص ۲)اشارۃ النص ۳)دلالۃ النص ۴)اقتضاء النص

عبارۃ النص کی تعریف:

فَهُوَ مَا سِيقَ الْكَلَامُ لِاَ جلِهٖ وَاُرِيْدُ بِهٖ قَصداً

وہ حکم جس کی وجہ سے کلام کو چلایا گیا ہو ، اور کلام سے قصداً (جان بوجھ کر) وہ حکم مراد ہو۔

نوٹ:

تعریف میں لفظ "مَا" سے مراد حکم ہے۔

لِاَ جلِهٖ میں "ہ" ضمیر کا مرجع لفظ "مَا" ہے۔

بِهٖ میں "ہ" ضمیر کا مرجع "کلام" ہے۔

ترجمہ اس وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اشارۃ النص کی تعریف:

فَهِیَ مَا ثَبَتَ بِنَظْمِ النَّصِّ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ ، وَ هُوَ غَيْرَ ظَا هِرَيْنِ كُلِّ وَجْهٍ وَلَا سِيْقَ الْكَلَامُ لِاَ جلِهٖ

اشارۃ النص وہ ہے جونص کے الفاظ سے ثابت ہوتی ہے بغیر کوئی اضافہ کئے ، اور وہ ہر حوالے سے ظاہر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے لیے کلام کو چلایا جاتا ہے۔

مُتَعَلَّقَاتِ النُّصُوصِ

میں ہے جونصوص کے متعلقات بنتے ہیں

ور جونص کو چمٹے ہوئے ہوتے ہیں۔لازم ہوتے ہیں۔

ن سے ہیں؟

۳)دلالۃ النص ۴)اقتضاء النص

وَاُرِیْدُ بِہٖ قَصْداً

کیاہو ، اور کلام سے قصداً(جان بوجھ کر)وہ حکم مراد ہو۔

حکم ہے۔

"مَا" ہے۔

" ہے۔

یا گیا ہے۔

ن غَیْرِ زِیَادَۃٍ ، وَھُوَ غَیْرَ ظَاھِرَیْنِ کُلِّ وَجْہٍ وَلَا

الفاظ سے ثابت ہوتی ہے بغیر کوئی اضافہ کئے ، اور وہ

کے لیے کلام کو چلایا جاتا ہے۔

عبارۃ النص اور اشارۃ النص کی مشترکہ مثالیں:

مثال نمبر ۱:

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ

(مال غنیمت یا مال فئی) ان فقیر مہاجروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔

وضاحت:

اس آیت میں یہ حکم بیان کیا جارہا ہے کہ مال غنیمت یا مال فئی کے مستحقین مہاجرین فقراء ہیں سو اس بارے میں یہ آیت کریمہ عبارۃ النص ہے۔

نص کے لفظوں سے مہاجرین کا فقراء ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

لفظ فقراء اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کافر اگر مسلمان کے مال پر غلبہ پالے تو یہ غلبہ اس بات کا سبب ہے کہ کافر مسلمان کے مال کا مالک ہو جائے گا۔

نوٹ:

ہجرت کے باوجود اگر ہو اموال بدستور مسلمانوں کی ملکیت میں رہتے تو مہاجرین کا فقیر ہونا ہرگز ثابت نہ ہوتا۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے اشارۃ النص کے طور پر مسئلہ استیلاء معلوم ہو گیا۔

مسئلہ استیلاء سے مندرجہ ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

۱) اگر کوئی تاجر ان اموال کو خریدلے کافروں سے تو تاجر ان اموال کا مالک ہو جائے گا۔اور ان اموال میں تاجر تصرف بھی کر سکتا ہے۔یعنی بیچ سکتا ہے تحفہ دے سکتا ہے غلام ہو تو آزاد کر سکتا ہے۔

۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دوبارہ مسلمانوں کا لشکر اس جگہ کو فتح کرلے تو وہ ساری جگہ مال غنیمت کے طور پر شمار ہوگی۔انفرادی طور پر اس لشکر میں شامل لوگ اپنی اپنی زمینوں پر ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

۳) اگر کوئی غازی اس جگہ پر قبضہ کرلے تو وہ اس غازی کی ہوگی نہ کہ اصلی مالک کی۔اور اصل

مالک غازی سے چھین بھی نہیں سکتا۔

نوٹ:

اسی طرح اور مسائل کا بھی استخراج ہوتا ہے۔

مثال نمبر۲:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلیٰ نِسَآءِ کُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَ عَفَا عَنْکُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللہُ لَکُمْ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوْا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ

ترجمہ:

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس، اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا تو اب ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔

وضاحت:

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کا آغاز جنابت سے ہو سکتا ہے۔

دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے صبح صادق تک جماع کی حلت کو بیان فرمایا ہے۔ تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دن کا پہلا حصہ حالت جنابت میں پایا جائے۔

حالت جنابت میں کھانے پینے سے رک جانے کا نام روزہ ہے۔ پس بندے کو اس حالت میں بھی روزے کو مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ عبارت النص سے ثابت ہے۔

اشارۃ النص سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جنابت اور صوم ایک دوسرے کی ضد نہیں

اج ہوتا ہے۔

ث اِلیٰ نِسَآءِ کُمۡ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّھُنَّ
کُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ وَ عَفَا عَنۡکُمۡ فَالۡئٰنَ بَاشِرُوۡھُنَّ
رَبُوۡا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ
الَّیۡلِ

رتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا وہ تمہاری
نا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے
اب ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے
کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے
ے کرو۔

ہے کہ روزے کا آغاز جنابت سے ہو سکتا ہے۔
صبح صادق تک جماع کی حلت کو بیان فرمایا ہے۔تو ایسا
بت میں پایا جائے۔
نے سے رک جانے کا نام روزہ ہے۔پس بندے کو اس
یا گیا ہے۔یہ مسئلہ عبارت النص سے ثابت ہے۔
رہا ہے کہ جنابت اور صوم ایک دوسرے کی ضد نہیں

ہیں۔اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ اشارۃ النص سے لزومی طور پر معلوم ہوا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا روزے کو نہیں توڑیں گے۔یعنی روزے کی حالت میں کلی بھی جائز، ناک میں پانی ڈالنا بھی جائز اور روزہ بھی باقی رہے گا۔

مذکورہ مثال سے متفرع ہونے والے مسائل:

۱) کسی نے کسی چیز کو منہ سے چکھا تو اس کا روزہ محض چکھنے سے نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ وضو یا غسل کا پانی اگر نمکین ہو تو لازمی طور پر اس کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۲) آیت کریمہ کو پڑھنے سے ہمیں:

(الف) احتلام کا مسئلہ معلوم ہو گیا کہ اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(ب) احتجام (حجامہ لگوانا/پچھنا لگوانا) سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(ج) ادّھان (تیل لگانا) سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں تین چیزوں (کھانا، پینا اور جماع) سے رکنے کو روزہ فرمایا ہے ، سو معلوم ہوا کہ ان تین چیزوں سے رکنا ہی روزہ ہے۔پس مذکورہ بالا اشیاء سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مسئلہ تبییت:

تبییت کا مطلب ہے رات کو ہی روزہ کی نیت کر لینا۔

ہمارا (احناف) کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رات سے روزے کی نیت کرنا درست ہے لیکن باری تعالیٰ کا جو حکم ہے روزہ رکھے اور مکمل کا وہ اس وقت سے مؤثر ہوگا جب روزے کا اول وقت (صبح صادق) شروع ہوگا۔

اور وہ حکم یہ ہے کہ "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ"۔

دلالۃ النص:

دلالۃ النص کی تعریف:

فَهِیَ مَاعُلِمَ عِلَّةً لِلْحُكْمِ الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ لُغَةً لَا اِجْتِهَاداً وَلَا اِسْتِنْبَاطاً

دلالت النص وہ معنی ہے کہ منصوص علیہ کے حکم کے لیے علت لغت سے معلوم ہو نہ کہ اجتہاد واستنباط سے علت معلوم ہو۔

تشریح:

تعریف میں "ما" سے مراد معنی ہے۔

اجتہاد واستنباط کا معنی ہے غور وفکر۔

''علت لغت سے معلوم ہو''اس کا مطلب ہے''بغیر غور وفکر کے محض عربی لغت دیکھنے یا جاننے سے علت کا علم ہو جائے۔

دلالت النص کی مثالیں:

مثال نمبر ا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا

نہ تو ان (ماں، باپ) دونوں سے اف کہو اور نہ ان کو جھڑکو۔

لغت کا عالم سنتے ہی جان جاتا ہے کہ اف کہنے کو منع (حرام) کرنے کی وجہ اذیت کو ہٹانا ہے، دور کرنا ہے ماں باپ سے۔

یعنی اف کہنے کی حرمت اذیت کی وجہ سے ہے پس اذیت علت ہوئی جہاں جہاں علت پائی جائے گی وہاں وہاں حکم بھی پایا جائے گا۔

دلالت النص کا حکم:

عُمُوْمُ الْحُكْمِ الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ لِعُمُوْمِ عِلَّتِهٖ

علت کے عموم کی وجہ سے منصوص علیہ کا حکم بھی عام ہو جاتا ہے۔

دلالۃ النص:

نصُوصِ عَلَيۡهِ لُغَةً لَا اِجۡتِهَاداً وَلَا اِسۡتِنۡبَاطاً

وص علیہ کے حکم کے لیے علت لغت سے معلوم ہونہ کہ

ں ہے۔

ر۔

ب ے ''بغیر غور وفکر کے محض عربی لغت دیکھنے یا جاننے

هُمَا

سے اف کہو اور نہ ان کو جھڑکو۔

ہ اف کہنے کو منع (حرام) کرنے کی وجہ اذیت کو ہٹانا

ر سے ہے پس اذیت علت ہوئی جہاں جہاں علت پائی

علَيۡهِ لِعُمُوۡمِ عِلَّتِهٖ

ں علیہ کا حکم بھی عام ہوجاتا ہے۔

حکم پر مثالیں:

۱) ماں باپ کو گالی دینا حرام ہے۔

۲) ماں باپ کو مارنا حرام ہے۔

۳) والد کو اجرت دے کر اپنا کام لینا بیٹے کے لیے حرام ہے۔

۴) قرضے کے بدلے بیٹا اپنے والدین کو قید کرائے تو یہ حرام ہے۔

۵) والد اگر بیٹے کو قتل کر دے تو قصاصاً والد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ان تمام امور کے حرام ہونے کی وجہ یعنی علت اذیت ہے۔

پس جہاں جہاں یہ علت پائی جائے گی وہ امر والدین کے لیے حرام قرار پائے گا۔

دلالت النص کے متعلق اہم اصول:

ثُمَّ دَلَالَةُ النَّصِّ بِمَنۡزِلَةِ النَّصِّ ، حَتّیٰ صَحَّ اَثۡبَاتُ الۡعُقُوۡبَةِ بِدَلَالَةِ النَّصِّ

دلالت النص عبارۃ النص کے درجے میں ہوتی ہے۔ تا آں کہ دلالت النص سے عقوبات (سزائیں) کا اثبات (عندالشرع) درست ہے۔

مثال:

احناف فرماتے ہیں جماع کے ذریعے روزے کے ٹوٹنے کا کفارہ عبارت النص سے ثابت ہے۔ جبکہ کھانے اور پینے کی وجہ سے روزے کے ٹوٹ جانے کا کفارہ دلالت النص سے ثابت ہے۔

سوال: وہ نص لکھیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جماع کرنے سے کفارہ لازم آجاتا ہے؟

جواب: نص یہ ہے:

اعرابی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں ہلاک ہوگیا/ہلاک کردیا گیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تونے کیا کیا۔

اعرابی نے کہا: میں نے اپنی زوجہ سے رمضان میں دن کے وقت جان بوجھ کر جماع کرلیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تو غلام آزاد کر۔

اعرابی نے کہا: میری ملکیت میں کوئی غلام نہیں ہے سوائے میرے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھ۔

اعرابی نے کہا: ایک روزے نے مجھے آپ تک پہنچادیا ہے (تو پھر دو مہینے کے روزے کیسے رکھوں گا)

حضور ﷺ نے فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔

اعرابی نے کہا: میں استطاعت نہیں رکھتا۔

حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کا ٹوکرا لاؤ (روایت میں آتا ہے کہ اس میں ۱۵ صاع کھجوریں تھیں)

حضور ﷺ نے فرمایا: اسے مساکین میں تقسیم کردو۔

اعرابی نے کہا: اللہ کی قسم! مدینے میں کوئی ایسا گھر نہیں ہے کہ جو میرے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ محتاج ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تو اور تیرے اہل وعیال اس ٹوکرے سے کھائیں تجھے اس کی اجازت ہے لیکن تیرے بعد کسی ایک کو بھی اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

تنبیہ:

امام قاضی ابوزید فرماتے ہیں اگر کوئی قوم اُف کہنے کو عزت جانتی ہے تو اس قوم کو ماں باپ کے سامنے اُف کہنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔

اصول کا اعادہ اور اس کی مثال:

دلالت النص میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ علت کے عموم کی وجہ سے حکم میں عموم پایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں علت ہوگی وہاں وہاں حکم بھی ہوگا جہاں جہاں علت نہ ہوگی وہاں وہاں حکم بھی نہیں ہوگا۔

مثال نمبر ۱:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

ں کوئی غلام نہیں ہے سوائے میرے۔

ہینے کے لگاتار روزے رکھ۔

ھے آپ تک پہنچایا ہے (تو پھر دو مہینے کے روزے کیسے رکھوں گا)

ٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔

ہیں رکھتا۔

و کر لاؤ (روایت میں آتا ہے کہ اس میں ۱۵ صاع کھجوریں تھیں)

مساکین میں تقسیم کر دو۔

ینے میں کوئی ایسا گھر نہیں ہے کہ جو میرے اور میرے اہل و

تیرے اہل و عیال اس ٹوکرے سے کھائیں تجھے اس کی

س کی اجازت نہیں ہوگی۔

گر کوئی قوم اُف کہنے کو عزت جانتی ہے تو اس قوم کو ماں

ائے گا۔

چکے ہیں کہ علت کے عموم کی وجہ سے حکم میں عموم پایا جاتا

ں وہاں وہاں حکم بھی ہوگا جہاں جہاں علت نہ ہوگی وہاں

دیٰ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ

ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کے لیے اذان دی جائے تو دوڑ و اللہ کے ذکر کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

آیت کریمہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جمعہ کی اذان ہونے کے بعد خرید و فروخت چھوڑ دو۔ ناجائز ہونے کی علت یہ ہے کہ ”خرید و فروخت کی مشغولیت میں کہیں جمعہ کی نماز نہ رہ جائے“۔ پس اگر خرید و فروخت کی ایسی صورت فرض کر لی جائے کہ جس میں جمعہ کی نماز کی طرف سعی بھی موجود ہو اور خرید و فروخت بھی چل رہی ہو تو وہ بیع جائز ہوگی۔

مثلاً:

(الف) جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے کشتی میں بیٹھ کر جا رہے ہوں پس کشتی چلتی رہے اور عاقدین عقد کرتے رہیں تو جائز ہے۔

مثال نمبر ۲:

کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی بیوی کو نہیں مارے گا۔ پھر اس نے بیوی کے بال پکڑ کر کھینچے یا اپنی بیوی کو دانتوں سے کاٹا یا اس کا گلا دبایا۔ اگر یہ چیزیں بیوی کو اذیت اور تکلیف دینے کے لیے کی گئیں تو قسم ٹوٹ جائے گی کیوں کہ مارنے کی علت بھی تکلیف دینا ہے اور ان چیزوں سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔

اور اگر مذکورہ صورتیں یعنی گلا دبانا، دانتوں سے کاٹنا، بال کھینچنا وغیرہ وغیرہ کھیل کود کے طور پر ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ اذیت دینا نہیں پایا گیا۔

مثال نمبر ۳:

کسی نے قسم اٹھائی کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا پھر اس شخص نے اس شخص کے مرنے کے بعد کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

کیوں کہ بات کرنے کا مقصد اپنا مدّعا سمجھانا اور دوسرے کا مدّعا سمجھنا ہوتا ہے۔ مردہ شخص کو نہ تو مدّعا سمجھایا جا سکتا ہے نہ ہی اس سے سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ علت صرف عام کے اعتبار سے ہے۔

مثال نمبر۴:

کسی نے کہ کہ وہ گوشت (اَلحمُ) نہیں کھائے گا۔ قسم اٹھانے کے بعد اس نے مچھلی کا گوشت کھالیا یا نڈی کا گوشت کھالیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیوں کہ عرف عام میں مچھلی کے گوشت پر گوشت کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

اور اگر اس نے خنزیر کا گوشت کھالیا یا انسان کا گوشت کھالیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

لغت کا عالم ان قسموں کو سنتے ہی جان لیتا ہے کہ جس گوشت سے پرہیز کی بات ہو رہی ہے وہ ، وہ گوشت ہے جو خون سے بنتا ہے پس خون سے بننے والے گوشت سے پرہیز لازم ہے۔اور قسم کا مدار بھی یہی گوشت ہوگا۔

اقتضاء النص کا بیان:

اقتضاء النص کی تعریف:

اَمَّا الْمُقْتَضیٰ فَھُوَ زِیَادَۃٌ عَلَی النَّصِّ لَا یَتَحَقَّقُ مَعْنَی النَّصِّ اِلَّا بِہٖ کَاَنَّ النَّصِّ اِقْتِضَاہُ فِیْ نَفْسِہٖ مَعْنَاہُ

اقتضاء النص سے مراد نص سے پر زیادتی ہے ایسی زیادتی کہ نص کا معنی کا ثبوت اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے گویا کہ نص خود اس زیادتی کا تقاضہ کرتی ہے۔ تا کہ نص کا معنی ذاتی طور پر درست ہو جائیں۔

مثالیں:

مثال نمبر۱:

شوہر نے بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ " لفظ "طَالِقٌ" صیغہ صفت ہے اور جتنے بھی صفت کے صیغے ہوتے ہیں وہ مصدر کا تقاضہ کرتے ہیں گویا کہ مصدر ان مقامات پر اقتضاء النص کے طور پر موجود ہوتا ہے۔ پورا جملہ یوں ہوگا۔"اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقاً"

مثال نمبر۲:

ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا:

اَعۡتِقۡ عَبۡدَکَ عَنِّی بِاَلۡفِ دِرۡھَمٍ

اپنے غلام کو آزاد کر دو میری جانب سے ایک ہزار درہم کے عوض۔

دوسرے نے کہا: میں نے آزاد کر دیا۔

غلام کی یہ آزادی آمر (حکم دینے والے) کی جانب سے سمجھی جائے گی پس آمر پر ہزار روپے دینے بھی لازم ہوں گے۔

مسئلہ:

اگر آمر نے کفارے کی نیت کی تو اس کی نیت بھی درست ہوگی۔ یہ اس لیے ہے کہ آمر کا قول اَعۡتِقۡ عَنّی بِاَلۡفِ دِرۡھَمٍ تقاضہ کرتا ہے کہ اس کے جملے کا مطلب یہ ہو کہ:۔اے شخص تو اپنا غلام ایک ہزار درہم کے بدلے مجھے بیچ، پھر میری طرف سے وکیل بن جا اور اس غلام کو میری جانب سے آزاد کر دے۔

پس بیع کا ثبوت اقتضاء النص کے طور پر ہوگا۔

اسی بیع کے ارکان یعنی ایجاب وقبول کا اثبات بھی اقتضاء النص کے طور پر ہوگا۔

مثال نمبر۳:

اسی وجہ سے کہ (چیز رکن کے بغیر نہیں پائی جاتی اور آزادی آمر کی جانب سے ہوگی)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

جب کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا اَعۡتِقۡ بِعَبۡدِکَ عَنِّی بِغَیۡرِ شَیۡءٍ آزاد کر وا پنے غلام کو میری جانب سے بغیر عوض کے۔

دوسرے نے کہا: میں نے آزاد کر دیا۔

پس یہ آزادی آمر کی جانب سے ہوگی اور اقتضاء النص کے طور پر یہ کلام ہبہ کا تقاضہ کرے گا اور وکالت کا تقاضہ کرے گا۔ ہبہ میں قبضہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جس طرح ہبہ اقتضاء النص کے طور پر ثابت ہوگا اسی طرح قرضہ بھی اقتضاء النص کے طور پر ہوگا۔

ذہن نشین رہے! قبضہ ہبہ کا لازمی رکن ہے جس طرح قبول بیع کا لازمی رکن ہے۔ پس

ـمٌ) نہیں کھائے گا۔ قسم اٹھانے کے بعد اس نے مچھلی کا
ی کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیوں کہ عرف عام میں مچھلی کے

ھا لیا یا انسان کا گوشت کھا لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔
ہے کہ جس گوشت سے پرہیز کی بات ہو رہی ہے وہ ، وہ
سے بننے والے گوشت سے پرہیز لازم ہے۔ اور قسم کا

ضاء النص کا بیان:

ی النَّصِّ لَا یَتَحَقَّقُ مَعۡنَی النَّصِّ اِلَّا بِہٖ کَاَنَّ النَّصِّ

ے پر زیادتی ہے ایسی زیادتی کہ نص کا معنی کا ثبوت اس
زیادتی کا تقاضہ کرتی ہے۔ تا کہ نص کا معنی ذاتی طور پر

طَالِقٌ" لفظ "طَالِقٌ" صیغہ صفت ہے اور جتنے بھی
ضہ کرتے ہیں گویا کہ مصدر ان مقامات پر اقتضاء النص
گا۔ "اَنۡتِ طَالِقٌ طَلَاقاً"

ے کہا:

جس طرح اوپر والی مثال میں قبول اقتضاءً ثابت ہوا ہے اسی طرح اس مثال میں قبضہ اقتضاءً ثابت ہوگا۔

نوٹ:

بیع میں قبول رکن ہے پس جب ہم اقتضاءً بیع ثابت کرتے ہیں تو اقتضاءً قبول بھی ضرورۃً ثابت کرتے ہیں۔لیکن ہبہ میں قبضہ کا معاملہ تھوڑا سا بیع سے برعکس ہے۔

ہبہ میں قبضہ رکن نہیں ہے۔پس مذکورہ مثال میں ہبہ اقتضاءً

نوٹ:

یہ فرق بیان کر کے دراصل امام محمد اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمھما اللہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو سمجھایا ہے کہ قبول بیع میں اور قبضہ ہبہ میں ایک ہی درجہ نہیں رکھتے۔ بلکہ دونوں کا درجہ الگ الگ ہے۔

اقتضاء النص کا حکم:

وَحُکْمُ الْمُقْتَضیٰ :۔ اَنَّہٗ یَثْبُتُ بِطَرِیْقِ الضُّرُوْرَۃِ فَیُقَدَّرُ بِقَدْرِ ضَرُوْرَۃِ

اقتضاء النص کا حکم یہ ہے کہ ضرورت کے طور پر ثابت ہوتا ہے اور اتنا ہی ثابت ہوتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔

تشریح:

حکم میں دو اہم باتیں کی گئیں ہیں۔

۱)اقتضاء النص میں جو عبارت نکالی جاتی ہے وہ ضرورت پڑنے کی وجہ سے نکالی جاتی ہے۔اور ضرورت یہ ہوتی ہے کہ کلام کا معنی بالذات درست ہو۔

۲)اتنی ہی عبارت نکالی جائے گی جتنی ضرورت ہو نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔

حکم پر مثالیں:

مثال نمبر ا:

شوہر نے بیوی سے کہا"اَنْتِ طَالِقٌ" اس جملے سے شوہر اگر تین طلاقوں کی نیت کرلے

تو تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی ۔ کیوں کہ یہاں مقدرِ ضرورت کے مطابق مانا جائے گا۔اور ضرورت ایک طلاق سے بھی پوری ہوجاتی ہے۔پس مقدر بھی ایک طلاق ہی مانی جائے گی۔

مثال نمبر۲:

کسی نے قسم اٹھائی "اِنْ اَكَلْتُ فَعَبْدِیْ حُرٌّ" یا یوں کہا "اِنْ اَكَلْتُ فَزَوْجَتِیْ طَالِقٌ"

اَكَلْتُ سے اس نے خاص کھانے کی نیت کرلی۔

اس کی نیت معتبر نہیں ہوگی۔

کیوں کہ لفظ "اَكَلٌ" تقاضہ کرتا ہے اس چیز کا جو طعام بن سکے۔پس اقتضاء النص کے طور پر اَكَلْتُ سے مراد کھائی جانے والی چیز ہوگی۔لہٰذا وہ شخص کھائے جانے والی جو چیز بھی کھائے گا۔اس کا غلام آزاد ہوجائے گا یا اس کی بیوی کو طلاق پڑ جائے گی۔

اصول:

فرد مطلق میں تخصیص نہیں ہوتی کیوں کہ تخصیص کا اعتماد عموم پر ہوتا ہے۔اور فرد مطلق میں عموم نہیں پایا جاتا۔

مثال نمبر۳:

کسی نے بعد از دخول اپنی بیوی سے کہا اِعْتَدِّیْ (تو عدت گزار)۔یہ لفظ کہنے سے اقتضاء النص کے طور پر طلاق پڑ جائے گی۔خود لفظ اِعْتَدِّیْ طلاق کا تقاضہ کرتا ہے۔پس طلاق اقتضاء النص کے طور پر ضرورۃً ثابت ہوگی۔

اور ہاں! طلاق رجعی واقع ہوگی بائنہ نہیں، کیوں کہ بائنہ ضرورت سے زائد ہے۔

خلاصہ یہ نکلا اقتضاء النص کے طور پر طلاق واقع ہوگی ایک ہوگی اور رجعی ہوگی۔

قَدْ تَمَّ بَحْثُ مُتَعَلَّقَاتِ النُّصُوْصِ فَلِلّٰهِ الْحَمْد حَمْداً كَامِلاً مَقْبُوْلاً

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَاةً دَائِماً اَبَداً

★★★

خاص کی اہم اور بڑی اقسام

خاص کی اہم اور بڑی دوقسمیں ہیں۔

۱)امر ۲) نہی

امر کا بیان:

فصل اول:۔امر کے لغوی اور شرعی معنی:

امر کا لغوی معنی:

قَوۡلُ الۡقَائِلِ لِغَیۡرِہٖ ﴿اِفۡعَلۡ﴾

کہنے والے کا پانے علاوہ کسی اور سے کہنا یہ کام کر۔

نوٹ:

اِفۡعَلۡ سے مراد امر کا صیغہ ہے۔ چاہے وہ اِفۡعَلۡ کے وزن پر ہو یا کسی اور وزن پر ہو۔

امر کا شرعی معنی:

تَصَرُّفُ اِلۡزَامِ الۡفِعۡلِ عَلَی الۡغَیۡرِ

دوسرے پر فعل کو لازم کرنے کا تصرف کرنا یعنی فعل کو لازم کر دینا امر ہے۔

مثلاً: آپ کسی سے کہیں صَلِّ صَلٰوۃً (تو نماز پڑھ)۔اس قول کے زریعے آپ نے مخاطب پر نماز کو لازم کر دیا۔

نوٹ:

تعریف میں "الزام الفعل" کہہ کر نہی کو خارج کر دیا۔ "علی الغیر" کہہ کر نذر (منت) کو خارج کر دیا۔

بعض ائمہ کا قول:

اَنَّ الۡمُرَادَ بِالۡاَمۡرِ یَخۡتَصُّ بِھٰذِہِ الصِّیۡغَۃِ

یعنی ائمہ نے ذکر فرمایا ہے کہ امر کی مراد اسی صیغے کے ساتھ مخصوص ہے۔

تشریح:

بعض ائمہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ امر کی مراد یعنی وجوب صرف صیغہ "اِفۡعَلۡ" سے ثابت ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اِفۡعَلۡ کے صیغے کے بغیر یعنی امر کے صیغے کے بغیر وجوب ثابت نہیں ہوگا۔

صاحب کتاب کا اس قول پر تبصرہ:

فاضل مصنف نے بعض ائمہ کے اس قول کے اوپر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

بعض ائمہ کے اس قول کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ جن میں سے دو مطالب نا قابل قبول اور ایک مطلب قابل قبول ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کے دو نا قابل قبول مطالب:

۱) امر کی حقیقت صیغہ اِفۡعَلۡ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا مطلب اگر یہ ہو کہ طلب فعل اسی صیغہ کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ نا قابل قبول ہے۔ کیوں کہ اہلسنت و جماعت کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ ازل سے متکلم ہے۔ اور ازل میں ہی اللہ تعالیٰ کے کلام میں امر بھی ہے، نہی بھی ہے، خبر بھی ہے اور انشاء بھی ہے۔

خرابی یہ ہے کہ اگر امر کی مراد کو اِفۡعَلۡ کے ساتھ خاص کیا جائے تو اس صیغے کا ازل میں پایا جانا لازم آئے گا حالانکہ صیغہ اِفۡعَلۡ کا ازل میں پایا جانا محال ہے۔

سوال: اِفۡعَلۡ کے صیغہ کا ازل میں پایا جانا کیوں محال ہے؟

جواب: اِفۡعَلۡ کا صیغہ الفاظ اور آواز سے مرکب ہے اور اس وجہ سے حادث ہے اگر اِفۡعَلۡ کو ازل میں مانو گے تو اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہو جائے گا اور یہ بہت بڑی خرابی ہے۔ اس لیے یہ مطلب نا قابل قبول ہے۔

۲) بعض ائمہ کے مذکورہ بالا قول کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر (حکم دینے والا) کی مراد اِفۡعَلۡ کے صیغے کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی امر جب بھی امر کرے تو اس کو چاہیے کہ

صیغہ اِفْعَلُ کے ساتھ کرے۔ یہ مطلب لینا بھی محال ہے کیوں کہ امر جس طرح چاہے فعل کولازم کرسکتا ہے۔

اس کو یوں سمجھئے! ہمارے علماء فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آبادی سے دور بیابان جنگل میں رہتاہواوراس کے پاس دین اسلام کا کوئی پیغام نہ پہنچاہوتب بھی اس پر ایمان لاناواجب ہے۔

غور کیجئے! یہاں پر امر نے بغیر صیغہ اِفْعَلُ کے ایمان لانے کوواجب کیا ہے پس یہ کہنا کہ امر اپنی مرادکو جب بھی واجب کرے گا اسی صیغے کے ساتھ کرے گا ایسا مطلب ہے جونا قابل قبول ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا قول:

حضرت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا میں رسول نہ بھیجتا تب بھی عقلاء پر لازم ہوتا کہ وہ اپنی عقول کا چراغ جلاکر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں۔

قابل قبول مطلب:

بعض ائمہ کے قول کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ مسائل شرعیہ کا وجوب بندے کے حق میں صیغہ اِفْعَلُ کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ مطلب درست ہے اور صحیح ہے۔

تیسرے قابل قبول مطلب سے نکلنے والا ایک مفید اور زبردست اصول:

بعض ائمہ کے قول کا تیسرا مطلب آپ نے یہ بیان کیا کہ بندے کے حق میں مسائل شرعیہ کا وجوب اِفْعَلُ سے ہوگا۔

اس سے اصول یہ نکلا کہ فعل رسول ﷺ سے وجوب ثابت نہیں ہوگا بلکہ قول رسول ﷺ سے وجوب ثابت ہوگا۔

اس بات کو فاضل مصنف نے یوں بیان فرمایا:

حَتىّٰ لَا يَكُوْنُ فِعْلُ الرَّسُوْلِ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ : ﴿اِفْعَلُوْا﴾

یہاں تک کہ فعل رسول ﷺ ، قول رسول ﷺ کے درجے میں نہیں ہوگا۔

نوٹ:

فعل رسول ﷺ کے متعلق وجوب کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔

سوال: کیا کسی بھی صورت فعل رسول ﷺ سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا؟

جواب: ہوسکتا ہے لیکن دو شرائط کے ساتھ:

۱) وہ فعل نبی کریم ﷺ نے مواظبت کے ساتھ کیا ہو۔

۲) وہ فعل نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔

لیکن یہ اصول ہر حال رہے گا کہ فعل رسول ﷺ ، قول رسول ﷺ کے درجے میں نہیں ہے اور وجوب فعل سے نہیں قول سے ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆

بھی محال ہے کیوں کہ امر جس طرح چاہے فعل کو لازم

ماتے ہیں۔اگر کوئی شخص آبادی سے دور بیابان جنگل

ئی پیغام نہ پہنچا ہوتب بھی اس پر ایمان لانا واجب

صیغہ اِفْعَلُ کے ایمان لانے کو واجب کیا ہے پس یہ کہنا

اسی صیغے کے ساتھ کرے گا ایسا مطلب ہے جو نا قابل

حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا

کہ وہ اپنی عقول کا چراغ جلا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت

ب لیا جائے کہ مسائل شرعیہ کا وجوب بندے کے حق

طلب درست ہے اور صحیح ہے۔

نکلنے والا ایک مفید اور زبردست اصول:

ب آپ نے یہ بیان کیا کہ بندے کے حق میں مسائل

ل ﷺ سے وجوب ثابت نہیں ہوگا بلکہ قول رسول

ن فرمایا:

بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ : ﴿اِفْعَلُوْا﴾

فصل ثانی:

امر کا موجب "وجوب"

علماء اصولیین کا امر مطلق کے بارے میں اختلاف ہے۔

امر مطلق سے مراد یہ ہے کہ ایسا امر جس کے ساتھ لزوم یا عدم لزوم کا قرینہ نہ ہو۔

مثلاً:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

اور تم دونوں نہ قریب جانا اس شجر کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے حد سے بڑھنے والوں میں سے۔

ایسے امر کے بارے میں درست ترین نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسا امر وجوب کا فائدہ دے گا۔ اِلَّا یہ کہ وجوب کے خلاف پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

امر کا موجب "وجوب" ہونے پر دلائل:

دلیل اول:

ترک امر معصیت ہے یعنی امر کا چھوڑ نا گناہ ہے۔ امر کا چھوڑنا اس وقت گناہ ہوگا جب اس کا کرنا واجب ہو۔ پس معلوم ہوا کہ امر کا بجالانا واجب ہے۔ اس دلیل کے اثبات میں مصنف نے یہ شعر پیش کیا ہے۔

اَطَعْتِ لِآمِرِيْكِ بِصَرْمِ حَبْلِىْ   مُرِيْهِمْ فِىْ اَحِبَّتِهِمْ بِذَاكِ

فَهُمْ اِنْ طَاوَعُوْكِ فَطَاوِعِيْهِمْ   وَاِنْ عَاصُوْكِ فَاعْصِىْ مَنْ عَصَاكِ

اس شعر میں محل استدلال یہ فقرہ ہے۔

وَاِنْ عَاصُوْكِ فَاعْصِىْ مَنْ عَصَاكِ

ترجمہ: اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو ، تو بھی اپنے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کی نافرمانی کر۔

فصل ثانی:

موجب "وجوب"

ے میں اختلاف ہے۔

امر جس کے ساتھ لزوم یا عدم لزوم کا قرینہ نہ ہو۔

ا ارشاد ہے۔

لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

ئے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

ہے۔

وْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے حد سے بڑھنے والوں میں سے۔

ہتر ین نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسا امر وجوب کا فائدہ دے

قائم ہو جائے۔

دلائل:

کا چھوڑنا گناہ ہے۔امر کا چھوڑنا اس وقت گناہ ہوگا

امر کا بجالانا واجب ہے۔اس دلیل کے اثبات میں

مُرِيْهِمْ فِىْ اَحِبَّتِهِمْ بِذَاكِ

وَاِنْ عَاصُوْكِ فَاعْصِىْ مَنْ عَصَاكِ

ہ ہے۔

صِىْ مَنْ عَصَاكِ

تو بھی اپنے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کی نافرمانی کر۔

پس جس طرح شاعر نے اپنی محبوبہ کے امر پر عمل نہ کرنے والوں کو نافرمان کہا ہے۔اسی طرح امر پر عمل نہ کرنا ہر طرح سے نافرمانی ہے۔اور یہ نافرمانی اسی وقت ثابت ہوگی جب امر کو وجوب کے لیے مانا جائے۔

اچھی طرح یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں۔اگر امر وجوب کے لیے نہ ہو تو ترک امر ہر گز معصیت نہیں کہلائے گا۔

دلیل نمبر۲:

تحقیقی دلیل

اصول یہ ہے کہ مامور پر امر کے امر کو بجالانا امر کی طاقت وقوت کے مطابق ہوتا ہے۔

پس جب آپ کوئی حکم دیں ایسے شخص کو جس پر آپ کی اطاعت وفرمانبرداری لازم نہیں ہے تو اس شخص پر آپ کے حکم کو بجالانا بھی ضروری نہیں ہے۔لیکن اگر آپ حکم دیں اپنے نوکر کو یا غلام کو تو اس پر آپ کے حکم کو بجالانا ہر حال میں ضروری ہے۔یہاں تک کہ غلام یا نوکر آپ کے حکم کو چھوڑ دیں جان بوجھ کر تو وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے عقلی طور پر بھی، شرعی طور پر بھی اور عرفی طور پر بھی۔

معلوم ہوا حکم بجالانا امر کی ولایت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔پس آپ ہی سوچیں آپ کا کیا خیال ہے اس امر کے متعلق جو اپنی مخلوق کے ہر ہر جز کا خالق ہے۔اور مالک ہے بلکہ مکمل مالک ہے اور وہ جیسے چاہے جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔تو ایسی ذات کے امر پر عمل کرنا کتنا بڑا درجہ رکھے گا۔

پس وہ لوگ جن کو اپنے غلاموں میں ملکیت قاصرہ حاصل ہوتی ہے۔اگر ان کے غلام ان کی بات نہ مانیں تو سزا کے مستحق۔

پس تو ہی بتا تیرا کیا خیال ہے اس ذات کے متعلق جسے ملکیت کاملہ حاصل ہے۔اگر تو اس کے امر کو چھوڑ دے تو، تو کتنی بڑی سزا کا مستحق ہوگا۔

★★★

فصل ثالثہ

امر بالفعل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا

اصول:

امر بالفعل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا نہ حقیقۃً نہ مجازاً اور نہ ہی امر بالفعل تکرار کا احتمال رکھتا ہے۔امر کے متعلق یہ مذہب احناف ہے۔

امثلہ:

مثال نمبر۱:

اگر ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا:۔

طَلِّقْ اِمْرَأَتِی (میری بیوی کو طلاق دے)

پس وکیل نے جا کر اس کی بیوی کو طلاق دے دی پھر موکل نے تیسری شادی کی تو وکیل کو امر اول (وکالت اول) کی وجہ سے یہ حق نہیں ہے کہ جا کر اس نئی نویلی دلہن کو بھی طلاق دے دے۔

مثال نمبر۲:

اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا:

زَوِّجْنِی اِمْرَأَۃً (کسی عورت سے میری شادی کراؤ)

یہ حکم بھی فقط ایک شادی کو شامل ہوگا۔

مثال نمبر۳:

کسی نے اپنے غلام سے کہا:

تَزَوَّجْ (شادی کر)

یہ حکم بھی صرف ایک شادی پر مشتمل ہوگا۔

امر بالفعل کے مقتضی حال نہ ہونے پر دلیل:

یاد رکھیئے!امر بالفعل کے ذریعے علی سبیل الاختصار فعل پر عمل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

"اِضْرِبْ" یہ مختصر کلام ہے۔اوری اس طویل کلام "اِفْعَلْ فِعْلَ الضَّرْبِ" سے ماخوذ ہے۔

حکم میں کلام طویل ہو یا مختصر برابر ہوتا ہے۔

امر بالضرب تصرف معلوم کی جنس امر ہے۔

یاد رکھیئے گا! اَلضَّرْبُ اسم جنس ہے۔اسم جنس کا حکم یہ ہے کہ فرد واحد کو حقیقی طور پر شامل ہوتی ہے اور کل جنس کا احتمال رکھتی ہے۔

اسم جنس کے حکم پر امثلہ:

مثال نمبر ۱:

کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ پانی نہیں پیئے گا۔

پس وہ شخص پانی کا چھوٹا سا قطرہ پینے پر بھی حانث ہو جائے گا۔اور اگر دنیا بھر کے پانیوں کو پینے کی نیت کرے تب بھی اس کی نیت درست ہوگی۔کیوں کہ مثال میں مَاءٌ اسم جنس ہے اور اسم جنس فرد حقیقی کو یقینی طور پر شامل ہوتا ہے اور نیت کے ساتھ فرد حکمی یعنی کل جنس کا بھی احتمال رکھتا ہے۔

مثال نمبر ۲:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا:۔

طَلِّقِیْ نَفْسَكِ (اپنے آپ کو طلاق دو)

بیوی نے کہا:۔ طَلَّقْتُ

اس سے ایک طلاق یقینی طور پر واقع ہو جائے گی۔اگر مرد اپنے قول سے تین کی نیت کرلے تو بیوی کے طَلَّقْتُ کہنے سے تین واقع ہو جائیں گی۔کیوں کہ اس مثال میں طَلِّقِیْ مصدر طلاق پر دلالت کرتا ہے اور طلاق اسم جنس ہے۔

اور اسم جنس کا اصول آپ پڑھ چکے ہیں۔

مثال نمبر ۳:

ایک شخص نے دوسرے سے کہا:۔ "طَلِّقْهَا" یہ لفظ حقیقی طور پر ایک طلاق کو شامل

فصل ثالث

...ل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا

...نا نہ حقیقۃً نہ مجازاً اور نہ ہی امر بالفعل تکرار کا احتمال رکھتا

...سے کہا:۔

...لاق دے)

...دے دی پھر مؤکل نے تیسری شادی کی تو وکیل کو امر

...ہے کہ جا کر اس نئی نویلی دلہن کو بھی طلاق دے دے۔

...کہا:

...سے میری شادی کراؤ)

...ہوگا۔

...تل ہوگا۔

...ے پر دلیل:

...ے علی سبیل الاختصار فعل پر عمل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

ہوگا۔شوہر تین کی نیت کرے تو تین بھی پڑ جائیں گی مگر دو نہیں پڑیں گی۔

اگر منکوحہ باندی ہو اور پھر اس لفظ سے دو کی نیت کی جائے تو نیت درست ہوگی کیوں کہ باندی کے حق میں وہ کل جنس ہیں۔

مثال نمبر۴:

کسی نے اپنے غلام سے کہا: تَزَوَّجْ تو ایک عورت سے شادی کرنے کو حقیقی طور پر شامل ہوگا۔اگر مالک دو کی نیت کرلے تو بھی درست ہوگی۔کیوں کہ غلام کے حق میں یہ کل جنس ہے۔

اہم مسئلہ:

عبادات میں تکرار اسی اصول کی وجہ سے ہے امر کی وجہ سے نہیں ہے۔بلکہ عبادات میں تکرار اسباب کی وجہ سے ہے۔

یاد رکھیئے گا! عبادات میں اسباب کی وجہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔اور امر کی وجہ سے وجوب ادا ثابت ہوتا ہے۔امر کی وجہ سے نفس وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

امثلہ سے مذکورہ بالا مسئلہ کی وضاحت:

مثال نمبر۱:

ایک شخص نے دوسرے سے کہا:

اَدِّ ثَمَنَ الْمَبِيْعِ (مبیع کی قیمت ادا کر)

یاد رکھیئے گا! یہ کہنے سے وجوب ادا ثابت ہوگا۔

کیوں کہ نفس وجوب یعنی مبیع کی قیمت مبیع کے خریدنے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔

مثال نمبر۲:

اسی طرح کسی نے دوسرے سے کہا:

اَدِّ نَفَقَةَ الزَّوْجَةِ (بیوی کا خرچہ ادا کرو)

یہ کہنے سے وجوب ادا لازم ہوگا۔خرچے کا نفس وجوب نکاح سے ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ:۔وجوب کی دو قسمیں ہیں۔

۱)نفس وجوب　　　　۲)وجوب ادا

مثال کے ذریعے وضاحت:

ظہر کی نماز وقت ظہر کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔

"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" اس نفس وجوب کی ادائیگی کا تقاضہ کرتا ہے۔پس تکرار اسباب کی وجہ سے جیسے جیسے عبادات کا نفس وجوب ہوتا جائے گا۔"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ"اس وجوب کی ادائیگی کا تقاضہ کرتا رہے گا۔

نوٹ:

پس یوں ہوتا ہے عبادات میں تکرار۔

امر کی وجہ سے نہیں اسباب کی وجہ سے۔

سو احناف کا یہ اصول روشن ہو گیا کہ امر بالفعل لایقتضی تکرار

(امر بالفعل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا)

★★★

فصل رابع

مامور بہ کی اقسام

سوال: مامور بہ کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب: مامور بہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱) مطلق عن الوقت ۲) مقید عن الوقت

مطلق عن الوقت کی بحث:

سوال: مامور بہ مطلق عن الوقت کا حکم بیان کریں؟

جواب: مامور بہ مطلق عن الوقت کا حکم یہ ہے کہ اس کو تراخی (تاخیر) کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔بشرطیکہ پوری زندگی میں فوت نہ ہو جائے۔

حکم پر امثلہ:

مثال نمبر ا:

امام محمد رحمہ اللہ نے جامع کبیر میں فرمایا:۔

اگر کسی نے ایک مہینے کے اعتکاف کی منت مانی تو اسے اختیار ہے زندگی بھر میں جس مہینے میں چاہے اعتکاف کرلے۔

مثال نمبر ۲:

کسی نے منت مانی کہ وہ ایک مہینے کے روزے رکھے گا تو اس کا بھی مذکورہ بالا حکم ہے۔

نوٹ:

زکوٰۃ، صدقہ فطر اور عشر کے بارے میں احناف کا مشہور ومعروف مذہب یہ ہے کہ ان کی تاخیر سے ادائیگی کرنے والا گنہگار نہیں ہے۔

اگر کسی کے پاس سے نصاب ہلاک ہو جائے تو ادائیگی وجوب بھی اس سے ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح حانث کا مال ختم ہو جائے اور وہ فقیر ہو جائے تو کفارہ روزوں کے ذریعے دے گا۔

مثال نمبر۳:

مطلق عن الوقت مامور بہ کے حکم کی بنیاد پر احناف نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اوقات مکروہہ میں قضا نمازوں کو پڑھنا درست نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ جب نمازیں واجب ہوئیں تھیں تو کامل واجب ہوئیں تھیں اور وقت مکروہہ میں ان کی ادائیگی ناقص ادائیگی ہے۔ پس کامل کو ناقص میں ادا کرکے ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوا جا سکتا۔

لیکن احناف نے اس مسئلہ سے نمازِ عصر کا استثناء کیا ہے۔ بشرطیکہ اسی دن کی نمازِ عصر ہو۔ اس کو احمرار (سورج کا سرخ ہوجانا مکروہ میں) کے وقت ادا کیا جائے تو وہ ادا ہی کہلائے گی قضا نہیں کہلائے گی۔

مامور بہ مطلق عن الوقت کے بارے میں امام کرخی حنفی کا دیگر ائمہ احناف سے اختلاف:

امام کرخی فرماتے ہیں۔ مطلق عن الوقت کا حکم یہ ہے کہ:

اس کی ادائیگی فوراً واجب ہے۔ تراخی کے ساتھ ادا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

فائدہ:

امام کرخی اور دیگی ائمہ احناف کے درمیان یہ نکتہ اتفاق ہے کہ مطلق عن الوقت کی ادائیگی فوراً مستحب ہے۔

اختلافی نکتہ یہ ہے کہ امام کرخی کے نزدیک تاخیر کرنے والا شریعت کی نظر میں گنہگار کہلائے گا۔ جبکہ دیگر احناف کے نزدیک نہیں کہلائے گا۔

یہ نکتہ بھی اتفاقی ہے کہ تاخیر سے ادائیگی اگر کی جائے تو وہ ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں کہلائے گا۔

☆☆☆

فصل رابع

مامور بہ کی اقسام

قسام ہیں؟

۲) مقید عن الوقت

بیان کریں؟

م یہ ہے کہ اس کو تراخی (تاخیر) کے ساتھ ادا کرنا واجب

ئے۔

س فرمایا:۔

نت مانی تو اسے اختیار ہے زندگی بھر میں جس مہینے میں

مہینے کے روزے رکھے گا تو اس کا بھی مذکورہ بالا حکم ہے۔

ے میں احناف کا مشہور و معروف مذہب یہ ہے کہ ان

ہے۔

جائے تو ادائیگی وجوب بھی اس سے ساقط ہو جائے گی۔

ر ہو جائے تو کفارہ روزوں کے ذریعے دے گا۔

مامور بہ مقید عن الوقت کی بحث:

نوٹ:

مقید عن الوقت کو مؤقت بھی بولتے ہیں۔

سوال: مؤقت کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب: مامور بہ مؤقت کی دو قسمیں ہیں۔

۱) وقت مامور بہ کے لیے ظرف بنے۔

۲) وقت مامور بہ کے لیے معیار بنے۔

وقت کے ظرف بننے کی بحث:

سوال: ظرف کا معنی کیا ہے؟

جواب: ظرف کا لغوی معنی ہے برتن۔

لیکن اس بحث میں وقت کے ظرف بننے سے مراد یہ ہے کہ مامور بہ اس پورے وقت کو نہ گھیرے بلکہ وقت کے ایک حصے میں ادا کرنے کے بعد بھی وقت بچا رہے۔

مثلاً:۔ پنج وقتہ نمازوں کے اوقات نمازوں کے لیے ظرف ہوتے ہیں۔

اس نوع کا حکم:

۱) اگر اس وقت میں ایک فعل واجب ہو تو وہ اپنی جنس کے دوسرے فعل کے وجوب کے منافی نہیں ہوگا۔

مثال کے طور پر کسی نے منت مانی کہ وہ اپنی نیت پوری ہونے پر اتنی رکعتیں ظہر کے وقت میں پڑے گا۔منت پوری ہو جانے کے بعد اس نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھنا لازم ہو جائے گا

غور فرمایئے! ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز لازم ہے اور اسی وقت میں منت کی نماز بھی لازم ہو رہی ہے۔اور پہلا وجوب اس دوسرے وجوب کے منافی بھی نہیں ہے۔

ب) جب ایک وقت میں ایک نماز واجب ہے تو یہ وجوب دوسری نماز کی ادائیگی صحت سے مانع

نہیں ہوگا۔

مثلاً: ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز واجب ہے۔نماز ظہر کی نماز پڑھنے کی بجائے پورے وقت میں قضانمازیں پڑھنا رہےتو وہ نمازیں ادا ہو جائیں گی اور صحیح کہلائیں گی۔

ج)اس کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ مامور بہ کونیت معینہ کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہوگا کیوں کہ اسی وقت میں دوسری نمازیں بھی جائز ہیں۔

یادرکھیئے گا !محض فعل سے مامور بہ کا تعیین نہیں ہوگا۔اگرچہ وقت تنگ ہو۔

نیت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جہاں مراحم موجود ہو۔یعنی فرض کردہ وجوب کے علاوہ دیگر وجوب بھی اس وقت میں ادا ہو سکتے ہوں تو وہاں نیت کا تعیین کرنا ضروری ہوتا ہے۔

فرض کردہ وجوب کا اگرچہ وقت تنگ ہو رہا ہومگر چونکہ مراحم اس وقت میں بھی موجود ہوتا ہے اس لیے نیت کا تعیین کرنا ضروری ہوگا۔

مثلاً: کسی نے ظہر کی نماز آخری پانچ منٹ میں پڑھنے کی کوشش کی اس مختصر وقت میں بھی نمازی کو نیت میں نماز کا تعیین کرنا ضروری ہوگا۔محض کھڑے ہو جانے سے نیت متعین نہیں ہوگی۔محض اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لینے سے بھی نیت متعین نہیں ہوگی۔

نیت کا تعیین کرنا اس لیے ضروری ہے کہ ان آخری پانچ منٹ میں بھی آج فرض ظہر کے علاوہ کوئی اور نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے۔اور اگر پڑھ لی جائے تو درست بھی ہوگی۔

پس غور کیجئے! آخری وقت میں بھی مراحم موجود ہے۔اس لیے نیت کا تعیین کرنا ضروری ہے۔

وقت کے معیار بننے کی بحث:

وقت مامور بہ کے لیے معیار بنے اس کا مطلب یہ ہے کہ مامور بہ اپنی ادائیگی میں پورے وقت کو گھیر لے یعنی اس پورے وقت میں صرف وہی ایک مامور بہ ادا کیا جا سکے۔اس کی جنس سے دوسرا امور اس وقت میں ادا نہ کیا جا سکے۔

اس کی مثال روزہ ہے۔روزہ اپنی ادائیگی میں پورے وقت کو گھیرتا ہے یعنی طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک جب اس وقت میں ایک روزہ رکھ لیا تو اب اسی وقت میں

دوسرا روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔

سوال: اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: یہی جواب بھی ہم نے لکھوایا ہے کہ شریعت نے جب اس کا ایک وقت متعین کر دیا ہو تو اس وقت میں اس کی جنس کا دوسرا واجب ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ اگر تندرست مقیم شخص نے رمضان المبارک کے مہینے میں رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور واجب روزے کی نیت کی تو رمضان شریف کا روزہ ہی ہوگا۔ نہ کہ وہ جس کی اس نے نیت کی ہے۔ کیوں کہ شریعت نے رمضان المبارک کے فرض روزوں کا وقت متعین کر دیا ہے اور وہ ہے رمضان کا مہینہ۔ لہٰذا اور کوئی روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔

سوال: مزید حکم بیان کریں؟

جواب: جب شریعت نے وقت متعین کر دیا ہے تو مزاحم بھی اڑ گیا ہے لہٰذا تعیین نیت کی ضرورت بھی نہیں ہے کیوں کہ تعیین نیت کی شرط مزاحم کو اڑانے کے لیے ہی ہوتی ہے۔

یاد رہے! کہ تعیین نیت کی شرط ساقط ہوگی۔ اصل نیت کی شرط باقی رہے گی۔ لہٰذا رمضان شریف میں روزہ رکھنے کے لیے تعیین نیت کی ضرورت نہیں ہے لیکن اصل نیت کی ضرورت ہے۔

سوال: تعیین نیت کی ضرورت کیوں نہیں ہے اور اصل نیت کی ضرورت کیوں ہے؟

جواب: تعیین نیت کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ مزاحم موجود نہیں ہے اور اصل نیت کی ضرورت اس لیے ہے کہ عادت اور عبادت میں امتیاز ہو جائے۔ کیوں کہ انسان کبھی کبھی عادتاً بھوکا رہتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ نہ وہ عبادت ہے نہ روزہ۔

ہاں! عبادت کی نیت کے ساتھ بھوکا رہے تو وہ روزہ دار کہلائے گا۔

روزہ کی شرعی تعریف:

فَاِنَّ الصَّوْمَ شَرْعاً هُوَ الْاِمْسَاكُ عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَاراً مَعَ النِّيَّة

شرعی روزہ کی تعریف یہ ہے کہ دن میں نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور جماع سے رکنا روزہ ہے۔

اصول:

اگر شریعت نے روزوں کے لیے ایام کو مخصوص نہ کیا ہو تو بندے کے مخصوص کرنے سے ایام مخصوص نہیں ہوں گے۔

مثلاً: شریعت نے رمضان کے قضا روزوں، منت کے روزوں اور کفارے کے روزوں کے ایام مخصوص نہیں فرمائے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان روزوں میں سے کسی ایک کے ایام مخصوص کر لے تو بندے کے مخصوص کرنے سے وہ ایام ان روزوں کے لیے مخصوص نہیں ہوں گے۔

مثال کے طور پر کسی نے متعین کر لیا کہ وہ رجب کے مہینے میں قضائے رمضان کے روزے رکھے گا تو اب وہ شخص ان متعین دنوں میں کفارے کے روزے بھی رکھ سکتا ہے اور منت کے روزے بھی رکھ سکتا ہے۔

اصول میں بیان کردہ نوع کا حکم:

اس قسم کے روزوں میں نیت کو متعین کرنے کی شرط باقی رہے گی کیوں کہ مزاحم باقی ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ مزاحم کے وجود کے وقت تعیین نیت کی شرط رہتی ہے۔

اک اور اصول اور اس کی مثال:

اگر انسان نے کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا مؤقت کے طور پر یا غیر مؤقت کے طور پر تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔

مثلاً: کوئی آدمی ایک مہینے کے روزے رکھنے کی منت مانے یہ غیر مؤقت کی مثال ہے۔ یا کوئی شخص منت مانے کہ وہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو منت کے روزے رکھے گا یہ مؤقت کی مثال ہے۔

لیکن اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ انسان کے اس عمل سے شریعت کا حکم تبدیل نہ ہو۔

مثال:

کسی نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی منت مانی پھر اس نے جمعہ والے دن منت کا روزہ رکھنے کی بجائے رمضان شریف کا کوئی قضا روزہ رکھ لیا یا قسم کے کفارے کا روزہ رکھ لیا تو یہ جائز ہے۔

اس لیے کہ شریعت نے رمضان شریف کے قضا روزے اور کفارے کے روزے وغیرہ کو مطلق رکھا ہے کہ جب چاہیں جس دن چاہیں رکھ لیں۔ پس بندہ اپنی مرضی سے ان مطلق روزوں کو آگے پیچھے نہیں کرسکتا یعنی یہ نہیں کرسکتا کہ کسی دن رکھے اور کسی دن نہ رکھے۔

اس اصول سے ہٹ کر ایک مسئلہ:

آپ نے اوپر یہ بتلایا کہ منت کے روزے کے لیے متعین عن میں قضا کفارہ وغیرہ کا روزہ رکھنا جائز ہے۔

پوچھنا یہ آپ سے ہے کہ اگر کوئی اس دن یعنی منت کے لیے متعین دن میں نفل روزہ رکھے تو کیا یہ جائز ہے۔

نہیں حضرت اس دن نفل روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اگر نفل روزہ رکھے گا بھی تو نہیں ہوگا بلکہ منت والا روزہ ہی ہوگا۔ کیوں کہ نفل کا مسئلہ اوپر والے اصول سے ہٹ کر ہے۔ کیوں کہ نفل بندے کا اپنا حق ہے اور اپنے حق میں بندہ بااختیار ہے۔ چاہے رکھے چاہے چھوڑے۔ ہاں! جو شریعت کا حق ہے اس میں بندے کا اپنا اختیار اثر انداز نہیں ہوگا۔

پس اب اصول یہ سامنے آیا کہ بندے کا اپنا اختیار اپنے حق میں چلے گا لیکن بندے کا اختیار شریعت کے حق میں نہیں چلے گا۔

ہمارے مشائخ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طلاق خلع میں میاں بیوی نے شرط لگائی کہ شوہر اپنی بیوی کو نہ نفقہ دے گا نہ سکنیٰ دے گا تو نفقہ تو ساقط ہوجائے گا لیکن سکنیٰ ساقط نہیں ہوگا۔ پس عورت کو عدت والے مکان سے نکالنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہوگا۔

کیوں کہ سکنیٰ شریعت کا حق ہے اور شریعت کے حق کو بندہ ساقط نہیں کرسکتا۔ برخلاف نفقہ کا۔

☆☆☆

ں کے قضا روزے اور کفارے کے روزے وغیرہ کو مطلق
ہیں۔ پس بندہ اپنی مرضی سے ان مطلق روزوں کو آگے
رکھے اور کسی دن نہ رکھے۔

کے روزے کے لیے متعین عن میں قضا کفارہ وغیرہ کا

ں اس دن یعنی منت کے لیے متعین دن میں نفل روزہ

رکھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اگر نفل روزہ رکھے گا بھی تو
ں کہ نفل کا مسئلہ اوپر والے اصول سے ہٹ کر
پنے حق میں بندہ بااختیار ہے۔ چاہے رکھے چاہے
س بندے کا اپنا اختیار اثر انداز نہیں ہوگا۔
بندے کا اپنا اختیار اپنے حق میں چلے گا لیکن بندے کا

یتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طلاق خلع میں میاں بیوی نے
ہ سکنی دے گا تو نفقہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن سکنی ساقط
ں سے نکالنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہوگا۔
ے اور شریعت کے حق کو بندہ ساقط نہیں کر سکتا۔ برخلاف

☆☆☆

فصل خامس

مامور بہ کا حسین ہونا

امر بالشئی یعنی کسی چیز کا حکم مامور بہ کے حسن پر دلالت کرتا ہے۔ بشرطیکہ امر حکیم ہو۔ یعنی سمجھدار ، دانش مند۔

پس اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے جو بھی حکم دیا ہے وہ حسین ہے۔

مامور بہ کا حسین ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ امر کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ مامور بہ پایا جائے۔ پس مامور بہ کے پائے جانے کی ڈیمانڈ حسن پر دلالت کرتی ہے۔

حُسن ہونے کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں۔

۱) حُسن بنفسہ　　　　۲) حُسن لغیرہ

حُسن بنفسہ کی امثلہ:

۱) ایمان باللہ　　　　۲) احسان کرنے والے کا شکر ادا کرنا

۳) سچ بولنا　　　　۴) انصاف کرنا

۵) نماز پڑھنا　　　　اور اسطرح کی دیگر خالص عبادات۔

حُسن بنفسہ کا حکم:

جب بندے پر اس کی ادائیگی لازم ہو جائے تو بغیر ادائیگی کے یہ ساقط نہیں ہوتا۔ جیسے:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانا۔

نوٹ:

یہ حکم ان امور کا ہے جو سقوط کا احتمال نہیں رکھتے۔

قاعدہ:

رہے وہ امور جو سقوط کا احتمال رکھتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وہ ادا سے ساقط ہوں گے۔ یا امر (شارع) کے حکم سے ساقط ہوں گے۔

مثال:

جب اوّل وقت میں نماز واجب ہو جائے تو یا تو یہ ساقط ہوگی ادا کرنے سے یا ساقط ہوگی جنون کے طاری ہونے سے ، حیض کے طاری ہونے سے ، نفاس کے طاری ہونے سے آخر وقت میں۔ اس لیے کہ شریعت نے ان عوارض کی وجہ سے ان حضرات سے نماز کو ساقط کر دیا ہے۔

یاد رکھیئے گا! وقت کا تنگی کی وجہ سے پانی کی غیر موجودگی کی وجہ سے یا لباس کی عدم موجودگی میں نماز ساقط نہیں ہوگی۔اس لیے کہ شریعت نے ان امور کی وجہ سے ان حضرات سے نماز کو ساقط نہیں فرمایا ہے۔

حسن لغیرہ کی مثالیں:

حُسن لغیرہ وہ ہے جس میں کسی اور کی وجہ سے حسن اور خوبصورتی ہو۔ مثلاً: جمعہ کی طرف چل کر جانا۔اس مثال میں چلنے میں حُسن ہے۔کیوں کہ یہ چلنا نماز جمعہ کی ادائیگی تک پہنچاتا ہے۔اسی طرح وضو میں نماز کی وجہ سے حسن ہے۔کیوں کہ وضو نماز کی چابی ہے۔

اس نوع کا حکم:

اگر واسطہ ختم ہو جائے تو جس چیز میں حسن تھا وہ حسن بھی ختم ہو جائے گا۔

مثلاً:۔ جس پر جمعہ واجب نہ ہو اس کے لیے چلنا بھی واجب نہیں ہے۔تو اس میں حسن بھی نہیں ہوگا۔جس پر نماز فرض نہ ہو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا۔لہٰذا اس میں بھی حسن نہیں ہوگا۔

چند مسائل:

۱) کوئی جمعہ کی طرف چل کر جا رہا تھا تو غنڈوں نے اسے اغوا کیا اور کسی اور مقام پر چھوڑ دیا۔نماز جمعہ کی ادائیگی سے پہلے تو اس پر دوبارہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے چلنا واجب ہوگا۔

۲) اگر کوئی جامع مسجد میں معتکف ہے تو اس پر سعی واجب نہیں ہے۔

۳) کوئی شخص با وضو تھا لیکن ادائیگی نماز سے قبل بے وضو ہو گیا تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔

ب ہوجائے تو یا تو یہ ساقط ہوگی ادا کرنے سے یا
حیض کے طاری ہونے سے ، نفاس کے طاری
ریعت نے ان عوارض کی وجہ سے ان حضرات سے نماز

سے پانی کی غیر موجودگی کی وجہ سے یا لباس کی عدم
ے کہ شریعت نے ان امور کی وجہ سے ان حضرات سے

اور کی وجہ سے حسن اور خوبصورتی ہو۔ مثلاً: جمعہ کی
سن ہے۔ کیوں کہ یہ چلنا نماز جمعہ کی ادائیگی تک پہنچاتا
ں ہے۔ کیوں کہ وضو نماز کی چابی ہے۔

ز میں حسن تھا وہ حسن بھی ختم ہوجائے گا۔
ے لیے چلنا بھی واجب نہیں ہے۔ تو اس میں حسن بھی
جب نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس میں بھی حسن نہیں ہوگا۔

چند مسائل:

غنڈوں نے اسے اغوا کیا اور کسی اور مقام پر
ں پر دوبارہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے چلنا واجب ہوگا۔
و اس پر سعی واجب نہیں ہے۔
ز سے قبل بے وضو ہوگیا تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب

۴) اگر کوئی نماز کے وقت باوضو ہے تو تجدید وضو اس پر واجب نہیں ہے۔

حسن لغیرہ کی ایک اور مثال:

مصنف فرماتے ہیں کہ حسن لغیرہ کے قریب قریب حدود وقصاص اور جہاد ہے۔ حدود میں حسن اس لیے ہے کہ یہ جرائم سے روکتی ہیں۔ جہاد میں حسن اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے کفار کا شر ختم ہوتا ہے۔ اور کلمہ حق بلند ہوتا ہے۔

اگر واسطے کو ان چیزوں میں بھی معدوم کر دیا جائے تو مامور بہ کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا۔

مثلاً:۔ اگر جرم ہی نہ ہو تو حد بھی نہیں ہوگی یا اگر کفا نہ ہوں تو جہاد ہی نہیں ہوگا۔

★★★

فصل سادس

فصل فِیْ الْاَدَاءِ وَالْقَضَاءِ

(یہ فصل ادا اور قضا کے بارے میں ہے)

بذریعہ امر واجب ہونے والے مامور بہ کی ادائیگی کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱)اداء ۲)قضاء

ادا کی تعریف:

عِبَارَۃٌ عَنْ تَسْلِیْمِ عَیْنِ الْوَاجِبِ اِلیٰ مُسْتَحِقِّہٖ

عین واجب کو مستحق کے سپرد کرنے کا نام ادا ہے۔

قضا کی تعریف:

عِبَارَۃٌ عَنْ تَسْلِیْمِ مِثْلِ الْوَاجِبِ اِلیٰ مُسْتَحِقِّہٖ

مثل واجب کو مستحق کے سپرد کرنے کا نام قضاء ہے۔

سوال: ادا کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب:ادا کی دو قسمیں ہیں۔

۱)ادائے کامل ۲)ادائے قاصر

سوال: ادائے کامل کی تعریف بمع امثلہ بیان کریں؟

جواب: **ادائے کامل کی تعریف:**

مامور بہ کو شرعی طریقے پر تمام حقوق کے ساتھ ادا کرنا۔

مثلاً:۔۱)نماز کو وقت کے اندر با جماعت ادا کرنا۔

۲)باوضو طواف کرنا۔

۳)مبیع کو صحیح سالم تقاضۂ عقد کے مطابق مشتری کے حوالے کرنا۔

۴)غاصب عین مقصود بہ کو یعنی چھینی ہوئی چیز کو صحیح وسالم۔ جیسے چھینی تھی ویسے ہی مالک کو لوٹادے۔

ادائے کامل کا حکم:

اَنْ یَّحْکُمَ بِالْخُرُوْجِ عَنِ الْعُهْدَةِ بِهٖ

جو شخص ادا کرلے اس پر ذمہ داری سے فراغت کا حکم لگایا جائے گا۔

یعنی ادائے کامل کو ادا کرنے والا اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوگیا۔

حکم پر امثلہ:

مثال نمبر ۱:

۱) جب غاصب مغصوب شئ کو مالک کے ہاتھوں فروخت کردے۔

۲) غاصب شئ مغصوب کو مالک کے پاس گروی رکھوادے۔

۳) اسے تحفۃً دے دے۔

پس یہ افعال کرنے سے غاصب اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائے گا۔ اور مالک کا حق ادا کرنے والا ہوجائے گا۔ اور جو الفاظ اس نے ادا کئے ہیں مثلاً: بیع یا ہبہ وغیرہ کے الفاظ لغو ہوجائیں گے۔

مثال نمبر ۲:

۱) کسی نے پکا پکایا کھانا چھینا پھر چھیننے والے نے لاعلمی میں وہ چھینا ہوا کھانا مالک کو کھلادیا۔

۲) کپڑا چھینا اور لاعلمی میں مالک کو پہنادیا۔

پس اس صورت میں غاصب مالک کا حق ادا کرنے والا کہلائے گا۔

مثال نمبر ۳:

۱) بیع فاسد میں مشتری نے اگر مبیع کو بائع کے عاریۃً (بغیر عوض نفع اٹھانے کے لیے چیز دے دینا) سپرد کردیا۔

۲) مشتری نے مبیع کو بائع کے پاس گروی رکھوادیا۔

۳) کرائے پر دے دیا۔

۴) مالک کے ہاتھوں بیچ دیا

۵) مالک کو تحفۃً دے دیا

اور اس کے سپرد بھی کر دیا تو اس صورت میں مبیع بائع کے پاس لوٹ جائے گی۔ مذکورہ الفاظ لغو ہو جائیں گے اور مشتری حق کو ادا کرنے والا کہلائے گا۔

ادائے قاصر:

تعریف:

فَهُوَ تَسلِيمُ عَينِ الوَاجِبِ مَعَ النُّقصَانِ فِي صِفَّتِهٖ

عین واجب کو صفت کی کمی کے ساتھ سپرد کرنا ادائے قاصر کہلاتا ہے۔

مثلاً:۔ ۱) نماز تعدیل ارکان کے بغیر ادا کرنا ۲) بغیر وضو کے طواف کرنا

۳) مبیع کو اس حال میں لوٹانا کہ اس پہ قرض چڑھ چکا ہو

۴) اس سے کوئی جرم سرزد ہو چکا ہو۔

۵) مغصوب شئ کو اس حال میں لوٹانا کہ فعل کی وجہ سے اس کا خون حلال ہو چکا ہو

۶) وہ قرض میں مشغول ہو

۷) غاصب کے پاس شئ مغصوب نے کوئی جرم کر لیا ہو

۸) کھرے سکوں کی جگہ مدیون دائن کو کھوٹے سکے دے دے درآں حالیکہ دائن ان کے کھوٹے دین کو نہ جانتا ہو۔

ادائے قاصر کا حکم:

اَنَّهٗ اِنْ اَمکَنَ جَبرُ النُّقصَانِ بِالمِثلِ يُجبَرُ بِهٖ وَاِلَّا يَسقُطُ حُكمُ النُّقصَانِ اِلَّا فِي الاِثمِ

اگر نقصان کو پورا کرنا مثل کے ساتھ ممکن ہو تو مثل کے ذریعے نقصان پورا کیا جائے گا۔ اور اگر مثل ہی نہ ہو تو نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ مگر نقصان کرنے والا شرعی اعتبار سے گنہگار رہو گا۔

حکم کی مثالیں:

مثال نمبر ۱:

نماز کے اندر تعدیل ارکان چھوٹ جائے تو اس کا تدارک مثل کے ساتھ ناممکن ہے۔ کیوں کہ تعدیل ارکان کا کوئی مثل ہی نہیں۔ پس اس کا نقصان ساقط ہو جائے گا۔

مثال نمبر۲:

اگر کسی نے ایام تشریق میں نماز نہیں پڑھی پھر اس نماز کو ایام تشریق کے علاوہ دنوں میں قضاءً پڑھا تو سلام کے بعد تکبیر نہیں پڑھے گا۔ کیوں کہ شرعی طور پر اس پر جہراً پڑھنا واجب نہیں ہے۔

مثال نمبر۳:

سورۃ فاتحہ کی قرأت چھوٹ جائے، دعائے قنوت چھوٹ جائے، تشہد چھوٹ جائے، تکبیرات عیدین چھوٹ جائیں تو ان تمام صورتوں میں نقصان کو سجدہ سہو سے پورا کیا جائے گا۔

مثال نمبر۴:

کسی نے طواف فرض عدم وضو کی حالت میں کیا۔ اس کا نقصان دم کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

نوٹ:

دم کے ذریعے نقصان پورا کرنا مثل شرعی ہے۔

مثال نمبر۵:

مدیون نے دائن کو کھرے سکوں کی بجائے کھوٹے سکے دیئے پھر وہ سکے دائن کے پاس ہلاک ہو گئے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مدیون پر کچھ دینا لازم نہیں ہوگا۔ کیوں کہ کھرا پن ایک صفت ہے۔ اور محض صفت کا نقصان مثل کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔

مثال نمبر۶:

اگر غلام سپرد کیا درآں حالیکہ وہ غلام جرم کی وجہ سے مباح الدم ہو چکا تھا۔ غاصب کے نزدیک یا وہ جرم پیدا ہوا بائع کے پاس بیع کے بعد۔ پس اگر وہ غلام ہلاک ہو جائے مالک کے پاس یا مشتری کے پاس اولیائے مقتول کی طرف لوٹانے سے پہلے پہلے تو مشتری پر ثمن لازم ہو جائے گا اور غاصب بری ہوگا اصل اعتبار سے۔ اور اگر وہ غلام قتل کر دیا گیا جرم کی وجہ سے تو ہلاکت کی نسبت اول سبب کی طرف ہوگی اور یوں سمجھا جائے گا گویا کہ ادائیگی ہی نہیں پائی گئی۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر ہے۔

صورت میں مبیع بائع کے پاس لوٹ جائے گی۔ مذکورہ
نے والا کہلائے گا۔

ادائے قاصر:

عَ النُّقُصَانِ فِیُ صِفَّتِہٖ
ساتھ سپرد کرنا ادائے قاصر کہلاتا ہے۔
ر ادا کرنا ۲) بغیر وضو کے طواف کرنا
ہ اس پہ قرض چڑھ چکا ہو
چکا ہو۔
س لوٹانا کہ فعل کی وجہ سے اس کا خون حلال ہو چکا ہو
ب نے کوئی جرم کر لیا ہو
ں دائن کو کھوٹے سکے دے دے درآں حالیکہ دائن ان
ثْلِ یُجْبَرُ بِہٖ وَاِلَّا یَسْقُطُ حُکْمُ النُّقُصَانِ اِلَّا فِیُ الْاِثْمِ
تھ ممکن ہو تو مثل کے ذریعے نقصان پورا کیا جائے گا۔ اور
ئے گا۔ مگر نقصان کرنے والا شرعی اعتبار سے گنہگار رہوگا۔
ٹ جائے تو اس کا تدارک مثل کے ساتھ ناممکن
ہیں۔ پس اس کا نقصان ساقط ہو جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اول سب سے مراد حرم ہے اور ادائیگی نہ پائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ غصب میں مالک غاصب سے قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ اور بیع میں مشتری بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا۔

مثال نمبر ۷:

چھینی ہوئی باندی اس حال میں لوٹائی گئی کہ وہ حاملہ ہو چکی تھی غاصب کے ہاں رہتے ہوئے زنا کی وجہ سے پھر مالک کے پاس بوقت ولادت مرگئی۔ تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غاصب ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

اصول:

ادا و قضاء کی بحث میں اصل اصول ادا ہے۔ یعنی ادائیگی کرنا چاہے کامل ہو یا ناقص۔ قضاء کی طرف اس وقت جائیں گے جب ادا متعذر ہو جائے۔

اس اصول پر مثالیں:

مثال نمبر ۱:

اس اصول کی وجہ سے ودیعت (امانت) میں اور وکالت میں اور غصب میں مال متعین ہوگا۔ یعنی امانت میں وہی پیسے واپس دیئے جائیں گے جو رکھوائے ہیں۔ وکیل اپنے مؤکل کو وہی پیسے دے گا جو اس نے دیئے ہیں اور غاصب وہی پیسے دے گا جو اس نے چھینے ہیں۔

اگر مودَع (جس کے پاس امانت رکھوائی گئی) یا وکیل یا غاصب چاہیں کہ وہ اصل پیسوں کو روک لیں۔ اور مثل کو واپس کریں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر ۲:

اگر کسی نے کوئی چیز بیچی اور پھر سپرد کر دی پھر مبیع میں عیب ظاہر ہوا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو وہ چیز لے لے چاہے تو واپس لوٹا دے۔

اس اصول پر کہ اصل ادا ہے قیاس کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ غاصب پر عین مغصوبہ کو لوٹانا واجب ہے۔ اگر چہ غاصب کے ہاتھوں تغییر فاحش ہو چکا ہو۔ ہاں ! نقصان کی

وجہ سے غاصب سے تاوان لیا جائے گا۔

نوٹ:

احناف کا نقطۂ نظر شوافع کے برعکس ہے۔ احناف کے نزدیک تغییر فاحش ہونے کی صورت میں مغصوبہ چیز غاصب کی ہوگی اور مالک کو قیمت لوٹائی جائے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ:

ا) کسی نے گندم چھینی پھر اس کی پسوا لیا یا اینٹیں چھینی پھر اس پر گھر بنا دیا یا بکری چھینی پھر اس کو ذبح کر دیا۔ اور بھون لیا یا انگور چھینے پھر ان کو نچوڑ لیا۔ یا گندم چھینی پھر کھیت میں اسے بو دیا اور کھیتی نکل آئی۔ پس ان صورتوں میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ساری چیزیں مالک کی ہیں۔ جبکہ احناف کے نزدیک یہ ساری چیزیں غاصب کی ہیں اور مالک کو قیمت لوٹائی جائے گی۔

اگر کسی نے چاندی چھینی پھر اس کے دراھم بنا لیے یا سونا چھینا پھر اس کے دنانیر بنا لیے یا بکری چھینی اور فقط اس کو ذبح کر دیا۔ تو احناف کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق مالک کا حق مال سے منقطع نہیں ہوگا۔

★★★

ب سے مراد حرم ہے اور ادائیگی نہ پائے جانے کا مطلب
ت کا مطالبہ کرے گا۔ اور بیع میں مشتری بائع سے ثمن کا

لوٹائی گئی کہ وہ حاملہ ہو چکی تھی غاصب کے ہاں رہتے
تت ولادت مر گئی۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے

ل ادا ہے۔ یعنی ادائیگی کرنا چاہے کامل ہو یا ناقص۔ قضاء
ذر ہو جائے۔

(امانت) میں اور وکالت میں اور غصب میں مال متعین
جائیں گے جو رکھوائے ہیں۔ وکیل اپنے مؤکل کو وہی
ب وہی پیسے دے گا جو اس نے چھینے ہیں۔
ئی گئی) یا وکیل یا غاصب چاہیں کہ وہ اصل پیسوں کو
لیے یہ جائز نہیں ہے۔

پرد کر دی پھر مبیع میں عیب ظاہر ہوا تو مشتری کو اختیار
وٹا دے۔
تے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ غاصب پر
سب کے ہاتھوں تغییر فاحش ہو چکا ہو۔ ہاں ! نقصان کی

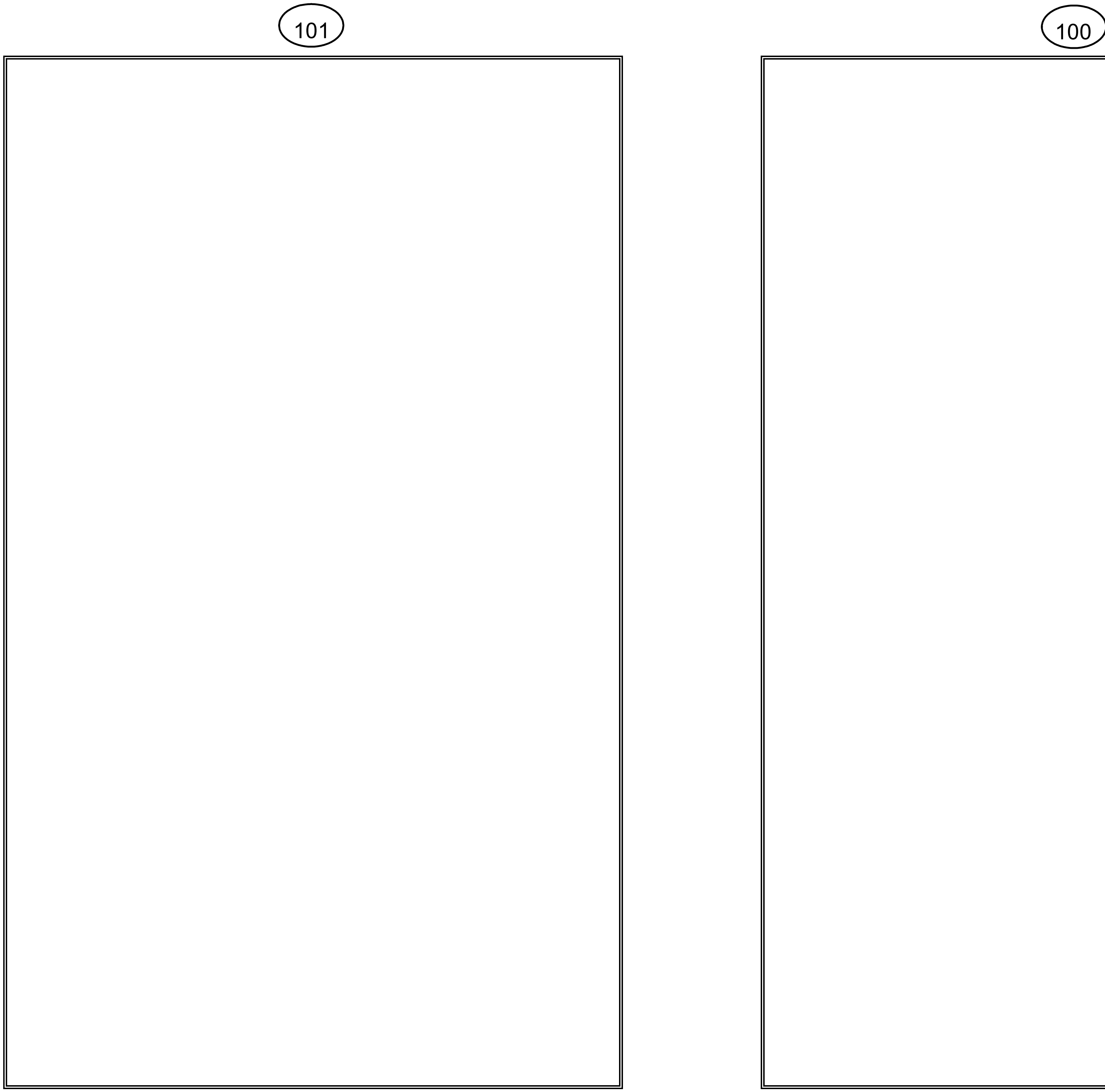
101
100